محبت ہوگئی!

تحریر
عبداللہ فارانی

قرآن وسنت اور مستند علمی کتب کی معیاری اشاعت کا مرکز

- جملہ حقوق ---------------- بحق ناشر محفوظ ہیں
- طبع جدید ---------------- اکتوبر 2008ء
- تعداد ------------------------ 1100
- ناشر ------------------

زہرا چیمبر، نزد عسکری پارک، مین یونیورسٹی روڈ، کراچی
فون: 2038163 موبائل: 0321-3817119

غزنی اسٹریٹ، یوسف مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
موبائل: 0321-4545028, 0300-4274916

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'! محبت ہوگئی کی کہانی بہت عجیب ہے ... آپ غلط سمجھے... میں ناول کی کہانی کی بات نہیں کر رہا... یہ ناول کیسے لکھا گیا، یہ بھی ایک کہانی ہے اور اس لیے میں نے اس کہانی کی بات کی ہے۔

ایک مہربان دوست نے اس موضوع پر لکھنے کے لیے اکسایا... میں نے ان سے ہنس کر کہا، بھلا اس موضوع پر ناول کیسے لکھا جا سکتا ہے... ہاں مضمون کی صورت میں ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے... مہربان دوست نے نفی میں سر ہلا دیا اور کہا، نہیں... ناول لکھو... میں نے موضوع کا جائزہ لیا، غور کیا... کام بے حد مشکل لگا... مضمون لکھنا آسان نظر آیا... لیکن ناولوں کے کرداروں کے ذریعے مضمون کو بیان کرنا بہت مشکل نظر آیا... بات تھی ناول کی چاشنی کی... دلچسپی کی... واقعات کی روانی کی... واقعات کے دھارے میں پڑھنے والوں کو بہا لے جانے کی... دلچسپی میں کسی بھی موڑ پر کمی نہ ہونے کی... ایک ناول لکھنا آسان کام ہے... لیکن خاص موضوع کو ناول میں سمونا مشکل... خاص طور پر اس ناول کا جو موضوع ہے، اس موضوع کو سمونا مشکل ترین لگا... اللہ کی مہربانی سے یہ سبھی مشکلات حل ہوتی چلی گئیں... اور آخر کار ناول لکھا گیا... لکھنے کے بعد ناول کو پڑھ کر دیکھا... اگرچہ یہ میری عادت نہیں۔ اپنا لکھا کبھی پڑھ کر نہیں دیکھتا... نہ کبھی رف اور فیئر کے چکر میں پڑتا ہوں... آج تک الحمدللہ جتنے ناول اور جتنی کتابیں لکھیں... رف بالکل نہیں لکھیں... کہ پہلے رف لکھو، پھر اُسے فیئر کرو... جی نہیں... اسی طرح یہ ناول بھی فسٹ ہینڈ لکھا... پڑھنے کے لیے اس لیے بیٹھ گیا کہ موضوع بالکل نیا تھا... پلاٹ انوکھا تھا اور چاہتا تھا... اس پر ایک نظر ڈال لو ل... پڑھا اور جی چاہا... ناول فوراً چھپ جائے۔ اب سوال یہ تھا کہ اسے شائع کون کرے گا، فوراً ذہن نے جواب دیا... ایم آئی ایس والے شائع کریں گے اور کون شائع کرے گا۔

ان سے بات کی... مسودہ انہیں بھیج دیا... انہوں نے شائع کرنے کی ہامی بھر لی، لیکن پھر

ایک بات آڑے آگئی... ناول بچوں کے لیے نہیں تھا... اور ایم آئی ایس صرف بچوں کی چیزیں شائع کرتے ہیں... ایسے میں بیت السلام کے مدیر عبدالصبور صاحب نے مسودہ پڑھا... اور انہوں نے فوراً ہی فرمائش کردی کہ اس ناول کوتو وہ شائع کریں گے، اگر عبداللہ فارانی اجازت دے دیں۔

سو محترم عبدالصبور صاحب سے بات ہوگئی... اور اس طرح ناول آپ کے ہاتھوں میں ہے... اس ناول کی چند خصوصیات ہیں... لیکن میں ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا... نہ کہانی پر کوئی بات کروں گا... اب تو ساری بات آپ کریں گے... گویا اب مجھے آپ کی دو باتوں کا انتظار رہے گا۔

والسلام

عبداللہ فارانی

بازار لوہاراں۔ جھنگ صدر

پہلا باب

تیسری مرتبہ کار کا ہارن بجانے کے باوجود وہ سڑک کے درمیان سے نہ ہٹا۔ اب تو یوسف سلیم کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے کار سڑک کے کنارے روک دی اور نیچے اتر کر اس کی طرف لپکا، اسے بازو سے پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور چیخ کر بولا:

''مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ریلوے لائن پر جا کر لیٹ جاؤ... قصہ تمام ہو جائے گا۔''

جھٹکا کھانے پر پیدل نوجوان کا رخ قدرے اس کی طرف ہو گیا، ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا:

''کک... کون...''

''لو اور سنو! ارے میاں! میں نے تمہارے دروازے پر دستک نہیں دی... کار کا ہارن بجایا ہے... اس لیے کہ جناب سڑک کے، بیچوں بیچ چل رہے ہیں... اور آپ دیکھ رہے ہیں... سڑک تنگ ہے، میں آپ کے دائیں بائیں سے کار نکال کر نہیں لے جا سکتا... جب کہ آپ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔'' اس نے بھناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کون ٹس... کون مس۔''

''کیا تم نشے میں ہو۔''

''نہیں... نشہ تو مجھ سے دور بھاگتا ہے۔''

''لگتا ہے... پاگل ہو۔''

''کاش میں پاگل ہو گیا ہوتا...'' وہ بولا۔

''اچھا بابا... ایک طرف ہو جاؤ... تا کہ میں اپنی کار آگے نکال لے جاؤں... یہ تو نصف رات کا وقت ہے... سڑک پر ٹریفک نہیں ہے... ورنہ تمہیں لوگ اٹھا کر پھینک دیتے۔''

''مہربانی فرما کر آپ مجھے اٹھا کر دور پھینک دیں...''

''اُف... بھائی تم کون ہو... کہاں سے آرہے ہو... کہاں جانا ہے...''

''پتا نہیں میں کون ہوں... کہاں رہتا ہوں... کہاں سے آرہا ہوں... کہاں جارہا ہوں، مجھے کچھ معلوم نہیں...''

''تب تم ضرور پاگل ہو... مہربانی کر کے میرا راستہ چھوڑ دو۔''

''لو... میں ایک طرف ہوگیا... تم اپنی کار آگے لے جاؤ۔'' یہ کہتے ہی وہ سڑک کے بیچوں بیچ بیٹھ گیا۔

''حد ہوگئی! یہ تم سڑک کے ایک طرف ہوئے ہو... تم ضرور ہوش میں... اوہو... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں...''

اس مرتبہ یوسف سلیم کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا... وہ تیزی سے اس کے بالکل سامنے آگیا... اب اس نے پوری طرح اس کی طرف دیکھا... پھر اچانک چلاّ اٹھا:

''حسن! یہ تم ہو... میرے دوست... میری طرف دیکھو... میں ہوں تمہارا بچپن کا دوست یوسف سلیم...''

''کون... عنبر... نہیں نہیں... تم عنبر نہیں ہو...''

''حسن! تم ضرور ہوش میں نہیں ہو، یہ میں ہوں یوسف سلیم... میں نے اپنا نام عنبر کب بتایا ہے... یہ... یہ کیا... عنبر... یہ عنبر کون ہے؟'' یوسف سلیم کو شدید حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے... تم اپنا نام کچھ بھی رکھ لو... رہو گی تو تم پھر بھی عنبر ہی... عنبر... عنبر... عنبر... ہاہاہا... ہاہاہا...''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ زوردار انداز میں چھڑایا اور بھاگ کھڑا ہوا... یوسف سلیم گھبرا گیا ...وہ چلاّ اٹھا:

''ارے ارے... رکو... رک جاؤ... میں تمہارا بچپن کا دوست یوسف سلیم ہوں...'' یہ کہتے ہی وہ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا... اور جلد ہی اسے جالیا۔

نصف رات کا وقت تھا... یوسف سلیم ایک دور کے عزیز کی شادی میں شرکت کر کے لوٹ رہا تھا کہ اس پاگل کی وجہ سے اسے رکنا پڑ گیا...

''یہ سب کیا ہے... تم میری بات کیوں نہیں سن رہے... میری طرف دیکھو... میں یوسف سلیم

ہوں... ہم دونوں راجا باغ کے سکول میں پڑھا کرتے تھے... ہمارے گھر بھی پاس پاس تھے... اکٹھے بیٹھ کر سکول کا کام کیا کرتے تھے... ساتھ کھیلا کودا کرتے تھے... تمہیں ہو کیا گیا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے یوسف سلیم نے اسے بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا... اچانک یوں لگا جیسے حسن گہری نیند سے بیدار ہوگیا ہو... اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یوسف سلیم کی طرف دیکھا، پھر کھوئے کھوئے انداز میں بولا:

''تم... تم... یوسف سلیم ہو... سلیم اختر ایڈووکیٹ کے بیٹے...''

''بالکل درست پہچانا۔'' یوسف سلیم نے خوش ہو کر کہا۔

''میرے دوست... میرے بھائی...'' یہ کہتے ہوئے حسن نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے... یوسف بھی تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے سینے سے لگ گیا... چند لمحے اسی عالم میں گزر گئے... پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑے کار تک لے آیا... اسے کار میں دھکیلا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی... اور کار چل پڑی... چند لمحے تک مکمل خاموشی طاری رہی... آخر یوسف کی آواز ابھری:

''یہ عنبر کون ہے دوست۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

''میں... میں خود عنبر ہوں...''

''یہ کیا بات ہوئی...''

''عنبر میری زندگی ہے...''

''میں نے پوچھا ہے... عنبر کون ہے۔''

''عنبر بہار ہے، حسن ہے، رعنائی ہے، عنبر ہی کائنات ہے... عنبر نہ ہو تو یہ کائنات کچھ بھی نہیں... یہ چاند... یہ ستارے... سب عنبر کے آگے ماند ہیں... عنبر میری صبح ہے، عنبر شام ہے... عنبر ہی میرا جینا ہے اور میرا مرنا ہے۔''

''یار کیا عنبر عنبر لگا رکھی ہے... یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے... میں پوچھ رہا ہوں... عنبر کون ہے۔''

''حسن کا مجسمہ... کائنات کا شاہکار، وہ لازوال ہے... بس وہی سب کچھ ہے... وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔''

''حد ہوگئی... تم یا تو شاعر بن چکے ہو یا پاگل... بہر حال میرا خیال ہے... تم کسی لڑکی کے عشق

میں مبتلا ہو گئے ہو اور اس کا نام عنبر ہے۔"

"تم یہ کہہ سکتے ہو... ورنہ عنبر تو خود عشق ہے..."

"میں سمجھ گیا... وہ کون ہے... کہاں رہتی ہے... تم اس کے عشق میں پاگل کیوں ہوئے جا رہے ہو... آدھی رات کو سڑک کے بیچوں بیچ کیوں چل رہے تھے... کیا تم اپنے آپ میں نہیں تھے؟"

"مجھے نہیں معلوم... میں اپنے آپ میں، تھا یا نہیں... مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ عنبر ہے تو سب کچھ ہے... عنبر نہیں تو کچھ بھی نہیں۔"

"تو پھر... تم اس سے شادی کر لو..."

"شادی!" اس کے منہ سے نکلا... پھر اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا... یوسف گھبرا گیا۔

"ارے ارے... یہ کیا ہو گیا تمہیں... اب اچانک رونے لگے... ہوش میں آؤ دوست..."

"کیا تم... میری کہانی سنو گے..."

"ہاں کیوں نہیں... لیکن گھر چل کر... راستے میں نہیں... لو ہم پہنچ گئے ہیں... وہ دیکھو... سامنے ہی میرا گھر ہے..."

اس نے سامنے دیکھا... گاڑی ایک خوب صورت کوٹھی کے نزدیک ہوتی جا رہی تھی... کار کا ہارن سنتے ہی ایک بوڑھے ملازم نے دروازہ کھول دیا اور کار اندر داخل ہو گئی...

"جاگ رہے ہو شریف بابا۔" یوسف نے بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس عمر میں نیند ذرا کم ہی آیا کرتی ہے بیٹا... آتی بھی ہے تو ذرا سے کھٹکے سے کھل جاتی ہے... بیگم صاحبہ کو جگا دوں صاحب جی..."

"نہیں... انہیں سونے دو... میں ذرا کچھ دیر اپنے دوست کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھوں گا۔"

"تب پھر چائے بنا دیتا ہوں۔"

"نہیں... ضرورت محسوس ہوئی تو میں خود ہی بنا لوں گا۔"

"انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" شریف نے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ... آج اتفاق سے مل گئے... میرے بچپن کے دوست ہیں... ان کا نام حسن ہے۔"

"پھر تو میں چائے بنا ہی دوں... ورنہ آپ اپنے دوست کو ڈرائنگ روم میں تنہا چھوڑ کر کچن میں جائیں گے۔"

"وہ ہم کر لیں گے... میں انہیں بھی کچن میں لے جاؤں گا۔" یوسف مسکرایا۔

"اچھی بات ہے..." شریف بھی مسکرا دیا... اور گیٹ اندر سے بند کرنے کے لیے چلا گیا...

یوسف، حسن کو ڈرائنگ روم میں لے آیا... اب دونوں دوست آمنے سامنے صوفے پر نزدیک نزدیک بیٹھ گئے۔

"ہاں! حسن پہلے چائے ہو جائے۔"

"پہلے عنبر۔" اس نے اب بھی اسی انداز میں کہا۔

"اوہ ہاں! میں تو بھول ہی گیا... خیر پہلے عنبر کی بات ہو جائے... ہاں تو کون ہے، یہ عنبر اور کیا ہے تمہاری کہانی۔"

"عنبر عنبر ہے اور بس... دنیا میں عنبر سے بڑھ کر خوب صورت کوئی نہیں... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا... میں مر جاؤں گا... اگر وہ مجھے نہیں ملی۔"

"میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کروں گا... جو ہو سکا... کر گزروں گا... لیکن تم مجھے تفصیل تو سناؤ... اور میں ایک بار پھر کہتا ہوں... پہلے چائے بنا لیتے ہیں۔"

"تم جاؤ... بنا لو چائے... میرے لیے چائے کی کوئی اہمیت نہیں... ہو گی تو پی لوں گا... نہیں ہو گی تو پروا نہیں کروں گا۔"

"اچھی بات ہے میں چائے بنانے جا رہا ہوں... تم پسند کرو تو میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں! میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

یوسف سلیم ڈرائنگ روم سے نکل کر کچن کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا، چائے کی ٹرے اس کے سامنے اس کی بیوی لیے کھڑی تھی... اس کے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ تھی اور یہ مسکراہٹ استقبالیہ تھی۔

"السلام علیکم! ہارن کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی تھی۔"

"آپ... آپ بہت اچھی ہیں... اتنی کہ میں..."

"بس بس... اتنا ہی کافی ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

یوسف نے مسکرا کر ٹرے لے لی اور اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گیا:

"لو بھئی! چائے تو تیار ہی مل گئی... تمہاری بھابی کی آنکھ کھل گئی تھی اور غالباً انہوں نے ہماری

بات چیت سن لی تھی... لہٰذا وہ اسی وقت کچن میں چلی گئیں۔"

"خوش قسمت ہو دوست... اچھی بیوی مل گئی۔" اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

اب دونوں چائے پینے لگے... اس وقت یوسف بولا:

"میں تمہاری کہانی جاننے کے لیے بے چین ہوں۔"

"چلو! کوئی تو ملا، جو میری کہانی سننے کے لیے بے چین ہے... میری درد بھری کہانی تین سال پہلے اس وقت شروع ہوئی، جب میں نے بی کام کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی، غیر معمولی کامیابی پر جہاں سب لوگوں نے پرجوش مبارک باد دی، وہاں والد صاحب نے یہ بھی کہا:

"بس بیٹا! اب تم میرا کاروبار سنبھالو... میں خود کو کاروبار سے الگ کر رہا ہوں۔"

"کاروبار سنبھالیں رہیں... میں تو ملازمت کروں گا... آپ جانتے ہیں، میں ملازمت پسند ہوں... لہٰذا اس بارے میں آپ مجھے مجبور نہ کریں..." میں نے نرم اور دھیمے لہجے میں کہا... تاکہ والد صاحب مان جائیں۔

"لیکن بیٹا! اس طرح تو تمہیں دوسرے شہر جانا ہوگا..." امی جان بول پڑیں۔

"تو کیا ہوا اماں... میں ہر پندرہ بیس دن بعد چکر لگا جایا کروں گا... اول تو ہم سبھی شہر چل کر رہیں گے... تعلیم کے سلسلے میں بھی تو میں لاہور ہی میں رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا... اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو یونہی سہی... لاہور میں میجر صادق میرے بچپن کے دوست ہیں... ایک مدت سے ان کے ہاں آنا جانا تو نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود وہ ضرور تمہارے کام آئیں گے... میرے پاس تو اب ان کا فون نمبر بھی نہیں ہے، لیکن پتا موجود ہے... تم اس پتے پر آسانی سے پہنچ جاؤ گے... میں ان کے نام رقعہ لکھ دیتا ہوں..." والد صاحب نے کہا۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے ابا جان... میں کسی دوست کے ہاں جا ٹھہروں گا۔"

"ہرگز نہیں... آج کے دوستوں کی نسبت پرانے زمانے کے دوست بہتر ہیں... تم دیکھ ہی لو گے... وہ تمہاری کس طرح آؤ بھگت کرتے ہیں۔"

"بہت بہتر... میں انہی کے ہاں چلا جاتا ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" ابا جان خوش ہو گئے... اور میں نے رخت سفر باندھا۔

• ● •

دوسرا باب

میجر صادق کی کوٹھی بہت دلفریب تھی۔ بیرونی دیواروں پر پھول ہی پھول لدے تھے۔ گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے نہ جانے کیوں میرا دل دھڑک اٹھا... اندر دور کہیں گھنٹی بجی... پھر تقریباً ایک منٹ بعد دروازہ کھلا... ایک ادھیڑ عمر ملازم کی صورت نظر آئی۔ وہ شریف سا آدمی نظر آیا:

"فرمایئے! آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"میجر صاحب سے۔"

"آپ کا نام۔"

"جی میرا نام حسن ہے... میں ان کے دوست شیخ الطاف احمد کا بیٹا ہوں۔"

"آیئے! آپ لان میں بیٹھ جایئے... میں انہیں بتاتا ہوں۔"

"شکریہ!"

اور وہ چلا گیا... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی... اس نے کہا:

"آیئے۔"

میں اس کے ساتھ چلتا ایک برآمدے میں داخل ہوا۔ اس کے دائیں طرف تین کمروں کے دروازے تھے... سامنے بہت کشادہ باغ تھا۔ اس میں پھل دار درخت بھی نظر آئے... مختلف قسم کے پھولوں کے پودے تو بس اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ملازم اسے آخری کمرے تک لے آیا۔ پھر بولا:

"آپ اندر چلے جائیں۔"

"جی اچھا۔"

دروازہ دھکیل کر میں اندر داخل ہوا تو ایک خوب رو، ادھیڑ عمر آدمی پر نظر پڑی۔ ان کے سر پر بال بہت کم تھے۔ آنکھوں پر عینک تھی اور وہ مسہری میں نیم دراز اخبار پڑھ رہے تھے... دروازہ کھلنے کی

آواز پر انہوں نے نظریں اٹھائیں:

"ملازم عباس میاں کو آپ نے بتایا کہ آپ شیخ الطاف احمد کے بیٹے ہیں... ابھی مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا... یقین ہوتا تو میں اس وقت تک دوڑ کر اس جگہ پہنچ چکا ہوتا جہاں عباس میاں نے آپ کو بٹھایا تھا... اب جلدی سے اس بات کی تصدیق کر دیں تا کہ میں اچھل پڑوں اور آپ کو اپنے گلے سے لگا سکوں..."

"میرے پاس ان کا خط ہے۔" حسن مسکرا دیا۔

"اوہ! بندۂ خدا! جلدی کریں... اب آپ نے میرا انتظار اور بڑھا دیا... خط پڑھنے میں بھی تو کچھ وقت درکار ہوگا۔"

حسن ہنس پڑا اور جیب سے فوراً خط نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا... پھر جونہی خط کے الفاظ پر نظر پڑی، وہ چلاّ اٹھے:

"وہی انداز، وہی الفاظ... یہ خط میرے دوست، سب سے بہترین دوست الطاف احمد کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا... کاش وہ مجھے فون کر دیتے... ہم سب اسٹیشن پر پہنچتے۔" یہ کہتے ہوئے وہ بے تابانہ انداز میں مسہری سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور مجھ سے لپٹ گئے... ان کے لپٹنے کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں والد صاحب سے کتنی محبت ہے۔ الگ ہوئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"آج مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا... لڑکپن یاد آ گیا... اور جوانی کے ابتدائی دن یاد آ گئے... ہم نے کتنا وقت ایک ساتھ گزارا... یہ گھر... اور اس گھر کی ہر چیز تمہاری ہے حسن... اور تم ہمارے ہو... لیکن اس بندۂ خدا نے اتنی مدت سے اپنی شکل کیوں نہیں دکھائی... خیر... اب تو آئیں گے حضرت ... اس وقت تم دیکھنا، میں کیسے خبر لیتا ہوں... خیر... اس وقت تو تم تھکے ہو گے... نہا کر کچھ آرام کر لو... پھر شام کی چائے پر باتیں ہوں گی..." یہ کہتے ہوئے انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا:

فوراً ہی عباس میاں اندر داخل ہوا:

"انہیں مہمان خانہ دکھا دو عباس میاں... وہاں ضرورت کی ہر چیز رکھ دو... اب ان سے ہماری ملاقات شام کی چائے پر ہوگی... اور شام کی چائے ہم پانچ بجے پیتے ہیں۔"

"جی بہتر... آیئے صاحب۔"

"صاحب نہیں عباس میاں... یہ تو اپنے بیٹے حسن ہیں... حسن... اب یہیں رہیں گے... مہمان خانے میں تو اس لیے بھیج رہا ہوں کہ تم ان کے لیے میرے ساتھ والا کمرہ درست کر دو۔"

"جی اچھا... آیئے چلیں۔"

میں عباس میاں کے ساتھ مہمان خانے میں آیا... وہ ایک کشادہ کمرہ تھا... بہت نفیس قسم کے بستر لگے تھے اور ضرورت کی چیزیں قرینے سے رکھی نظر آ رہی تھیں:

"یہاں آپ کا قیام تھوڑی دیر کا ہے، کیونکہ آپ مہمان نہیں... آپ بس نہا لیں... لباس تبدیل کر لیں تا کہ پانچ بجے تک شام کی چائے کے لیے تیار ہو سکیں... یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میجر صاحب وقت کے انتہائی پابند ہیں... فوجی یوں بھی پابند ہی ہوتے ہیں، لیکن ہمارے میجر صاحب تو ایک سیکنڈ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتے۔"

"آپ فکر نہ کریں... میں وقت سے پہلے تیار ہوں گا، لیکن مجھے نہیں معلوم... آنا کہاں ہے۔"

"میں آپ کو لینے کے لیے آؤں گا... آپ فکر نہ کریں... ویسے شام کی چائے، گرمی ہو یا سردی لان میں پی جاتی ہے... اچھا، میں چلا۔"

پانچ بجنے میں تین منٹ باقی تھے کہ عباس میاں مجھے لینے کے لیے آ گیا۔ میں اس کے ساتھ لان کی طرف چل پڑا... یہ کوٹھی کے پچھلی طرف تھا۔ لان تک پہنچتے پہنچتے ایک منٹ اور گزر گیا... میں نے دیکھا... شیشے کی ایک خوب صورت میز کے گرد بید کی کرسیاں بچھی تھیں... میز پر چائے کا سامان سلیقے کی مثال پیش کر رہا تھا:

"تشریف رکھیں... صاحب باقی لوگوں کے ساتھ پچھلے دروازے سے آنے والے ہیں۔"

پچھلا دروازہ لان کے بالکل سامنے تھا... اور پانچ بجنے میں اب بس ایک منٹ باقی تھا... میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا... میز مستطیل تھی... اور اس کے گرد کل چھ کرسیاں تھیں... گویا پانچ افراد کو ابھی آنا تھا...

پھر صرف چند سیکنڈ پہلے دروازہ کھلا... سب سے پہلے میجر صاحب باہر نکلے، اور ایک طرف ہٹ کے باادب کھڑے ہو گئے۔ پھر ایک بوڑھا اور بوڑھی خاتون باہر نکلے۔ میجر صاحب گویا ان کے ادب میں بچھے جا رہے تھے۔ وہ دونوں دروازے سے نکل کر میز کی طرف آنے لگے۔ اس وقت ایک ادھیڑ عمر خاتون باہر نکلیں اور ان کے ساتھ ہی ایک نوجوان لڑکی... ان کے ساتھ میجر صاحب نے میز کی طرف قدم بڑھائے... میری نظریں لڑکی پر کیا پڑیں کہ ساکت رہ گیا...

"السلام علیکم نوجوان۔" دونوں بوڑھوں نے ایک ساتھ کہا۔

"وع... وع... وعلیکم السلام۔" میرے منہ سے کھوئے کھوئے انداز میں نکلا۔

''گھبرائے گھبرائے لگتے ہیں آپ۔'' وہ بولے، ساتھ میں مسکرائے بھی۔

''جج... جی...''

اتنے میں میجر صاحب خاتون اور لڑکی کے ساتھ میز تک آگئے:

''السلام علیکم۔'' ان تینوں نے کہا۔

''وعلیکم السلام۔''

''پہلے تو ہو جائے تعارف... یہ میرے بچپن کے بہت ہی گہرے دوست الطاف احمد صاحب کے فرزند حسن ہیں... اور بھی ہیں... یہ ہیں میرے والد کرنل عابد علی... یہ میری والدہ ہیں، یہ ہیں میری بیگم رابعہ خاتون اور سب سے آخر میں نمبر آتا ہے... ہماری بہت ہی پیاری اور لاڈلی بیٹی عنبر کا ... اور حسن... آپ کو ان سے مل کر ضرورت سے زیادہ خوشی ہوگی...'' میجر صاحب یہاں تک کہہ کر خاموش ہوئے ہی تھے کہ عنبر بول اٹھی:

''تائید کریں نا بھئی پاپا کی۔'' اس کی آواز میرے ہوش اڑا گئی... جتنی وہ خوب صورت تھی، اس کی آواز اس سے بھی خوب صورت تھی... مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر گھنٹیاں بج اٹھی ہوں... میں نے بہت مشکل سے خود کو سنبھالا اور گویا ہوا:

''یقیناً انکل یقیناً۔''

''اور عنبر! آج مہمان کے لیے چائے آپ بنائیں گی۔''

''کیوں نہیں پاپا... لیکن... آپ نے بتایا تھا... یہ یہیں رہیں گے، اس صورت میں یہ مہمان تو نہیں ہوئے نا۔''

''منہ سے نکل گیا... لیکن صرف آج کے دن ہم انہیں مہمان تصور کر لیتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے...'' وہ مسکرائی تو اس کے سفید اور شفاف دانتوں کی چمک میرے حواس پر بجلی کی طرح گری۔

''لیجیے...'' اس نے چائے کا کپ میری طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

چائے کے دوران میجر صاحب میرے والد صاحب کی دوستی کی باتیں سنانے لگے... اس دوران مجھے عنبر کو پوری طرح دیکھنے کا موقع ملا... وہ اٹھارہ انیس سال کی ایک قد آور لڑکی تھی۔ اسے دبلے پتلے جسم والی لڑکی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ جسم قدرے بھرا بھرا سا تھا... جو اس کے لمبے قد کی وجہ سے بہت ہی

مناسب لگتا تھا... چہرہ کتابی تھا جس پر بھوری آنکھیں غضب ڈھا رہی تھیں، ان میں جھانکنے کا مجھے جب بھی موقع ملا، میں نے دل کی دھڑکن تیز ہوتے محسوس کی۔ بھوری آنکھوں کے نیچے ستواں ناک میرے اندر ہل چل مچانے لگی... ان سب پر کشادہ پیشانی اور پیشانی پر جھکے سرخی مائل گھنے بال... سرخ و سپید رنگ اور کشادہ سینہ، ہاتھوں کی انگلیاں مخروطی... اور سلیقے سے تراشے ہوئے ناخن... ان سب چیزوں کے مجموعے کا نام عنبر تھا... اور اس کے مقابل بائیس تیئس سال کا نوخیز نوجوان تھا... ان حالات میں دل بے چارہ کرتا بھی تو کیا...

میرے ضمیر نے مجھے کئی بار کچوکا دیا کہ تو اس گھر میں مہمان ہے... اور یہ میزبان کی بیٹی ... میزبان بھی وہ جو تیرے والد کا بچپن کا دوست ہے... ان حالات میں تو اس کی طرف دیکھنا بھی مناسب نہیں... لیکن حسن کا ایک مکمل شاہکار ایک جوان آدمی کے سامنے بے باک انداز میں بٹھا دیا جائے تو اس قسم کے خیالات دور کسی اندھے کنوئیں میں چلے جاتے ہیں، باپ کا چہرہ دھندلا جاتا ہے اور میزبان تو نظر ہی نہیں آتا... نظر آتا ہے تو بس وہی لاکھوں میں ایک چہرہ... ایسے میں میں نے سنا، میجر صاحب کہہ رہے تھے:

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا... حسن۔''

اب میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس بات میں میری تائید چاہتے ہیں... میں نے گھبراہٹ زدہ لہجے میں کہا:

''جج... جی ہاں...''

''اچھا بھئی... چائے کا وقت ختم... اور اب میرے مطالعے کا وقت شروع ہوتا ہے... عنبر تم حسن کو ان کا کمرہ دکھا دو... اب یہ مہمان خانے میں نہیں رہیں گے... یہ اس گھر کے ایک فرد ہیں... ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اب تمہاری ذمے داری ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں پاپا... یہ آپ سے میری کوئی شکایت نہیں لگا سکیں گے۔''

''گڈ!'' وہ بھرپور انداز میں مسکرا دیے۔

عین اس لمحے مجھے خیال آیا... میں نے تین افراد کے تاثرات نوٹ نہیں کیے... عنبر کو سونپی گئی ذمے داری کہیں انہیں شاق تو نہیں گزری... میں نے گھبراہٹ کے عالم میں ان تینوں کا جائزہ لیا... وہ بھی خوش کن انداز میں مسکرا رہے تھے... مجھے دل پر سے بوجھ ہٹتا محسوس ہوا۔ میں نے سنا، عنبر کہہ

رہی تھی:

''آیئے چلیں گھگو میاں۔''

''لو بھئی! اس بے چارے کو پہلے روز ہی گھگو میاں بنا دیا...'' رابعہ خاتون نے بُرا سا منہ بنایا۔

''مم... میں نے بُرا نہیں مانا... ویسے یہ گھگو میاں کیا ہوتا ہے۔''

اس پر ایک قہقہہ لگا:

''آیئے میرے ساتھ... میں بتاؤں گی آپ کو... گھگو کسے کہتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ہنسی۔ اس کے دانتوں کی چمک میرے دل پر پھر بجلی بن کر گری...

اب وہ مجھے کمرے میں لے آئی... وہ بہت ہوادار کمرہ تھا... اس کی کھڑکیاں باغ کی طرف کھلتی تھیں... جب کہ دروازہ برآمدے کی طرف تھا... کمرے کے درمیان میں ایک خوب صورت مسہری بچھی تھی... باغ کی کھڑکی کے ساتھ ایک میز اور کرسی تھی... میز پر چند کتب سلیقے سے ریک میں رکھی تھیں... دائیں طرف باتھ روم کا دروازہ نظر آیا... غرض کمرہ ہر لحاظ سے شان دار تھا:

''کمرہ پسند آیا۔'' عنبر کی آواز نے کمرے کی فضا میں رس کو گھول دیا۔

''بہت زیادہ۔''

''میرا انداق کھلا تو نہیں؟'' وہ ہنسی۔

''کک... کون سا مذاق؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''گھگو والا۔''

''ارے نہیں... ویسے...''

''اس کا مطلب کیا ہے...'' اس نے میرا جملہ اُچک لیا۔

''ہاں!''

''سیدھے سادے آدمی کو کہتے ہیں... جو ذرا بھی چالاک نہ ہو... آپ کو دیکھ کر یہی احساس ہوتا ہے... تاہم آپ کو بُرا...''

''بالکل نہیں... یہ تو بہت پیارا نام ہے۔'' میں نے فوراً کہا۔

''کیا واقعی؟'' اس نے مصنوعی حیرت ظاہر کی اور ہم دونوں مسکرا دیے۔

''ویسے آپ کے ساتھ وقت اچھا گزرے گا... کبھی کبھی تو میں سخت بور ہو جاتی ہوں... دادا

جان اور دادی جان اپنی دنیا میں گم رہتے ہیں... ابّو امّی کو بھی فرصت نہیں ملتی... اس طرح میں گھر میں بالکل اکیلی رہ جاتی ہوں... کیا ہوا، عباس میاں سے دو چار ادھر ادھر کی ہانک لیں... لیکن اب یہ کام میں آپ سے لیا کروں گی۔'' وہ رو میں کہہ گئی۔

''آپ کا مطلب ہے... ادھر ادھر کی ہانکنے کا؟'' میں نے فوراً کہا۔

''نہیں... بور وقت کو دلچسپ بنانے کا۔'' اس نے بھی جلدی سے جواب دیا... اور پھر نہ جانے کیسے... ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے... یوں لگا جیسے دونوں کو بجلی کا جھٹکا لگا ہو، ہم دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... شاید ہم ایک دوسرے سے کہنا چاہتے تھے...

''سوری!''

لیکن پھر ہم نے کچھ بھی نہ کہا اور مسکرا دیے۔

''میں چلتی ہوں... ان شاء اللہ رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی... رات کا کھانا ہم رات کے دس بجے کھاتے ہیں... اس کے بعد...'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''اس کے بعد کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کے بعد ہمارے ہاں دیر تک جاگنے کا معمول ہے... عام طور پر تو یہ وقت ٹی وی کے آگے گزرتا ہے... آج کل بہت رنگین پروگرام دیکھنے کو ملتے ہیں... پاپا اور ممی... کو ڈرامے دیکھنے کا بہت شوق ہے... یہاں تک کہ دادا جان اور دادی جان بھی رات گئے تک بیٹھتے ہیں...''

''اور آپ؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''اور میں... میں بھی دیکھتی ہوں... لیکن نیند آنے پر اٹھ جاتی ہوں... اب اجازت؟'' اس نے عجیب سے، لگاوٹ آمیز سے لہجے میں کہا... میرے اندر سے کسی نے کہا:

''نہیں... اجازت نہیں ہے۔''

لیکن میں نے کہا:

''اچھی بات ہے۔''

اس نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور باہر نکل گئی... میں مسہری کی طرف مڑا اور پھر دھک سے رہ گیا۔

• ● •

تیسرا باب

بستر پر عنبر کی سونے کی زنجیر پڑی نظر آئی تھی... اور غالباً یہ اس وقت گری تھی... جب ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے... ہم چونکہ اس ٹکراؤ کی لذت میں گم ہو کر رہ گئے تھے، اس لیے عنبر کو پتا ہی نہ چلا کہ اس کی کلائی کی زنجیر گر گئی ہے... اس کا ہک نکل گیا تھا اور اب وہ ایک لڑی صورت بستر پر پڑی چمک رہی تھی... میں نے سوچا، دوڑ کر اسے دے آؤں... پھر سوچا... کھانے کی میز پر دے دوں گا... چنانچہ اسے اٹھا کر میز پر رکھ دیا اور بستر پر نیم دراز خلا میں تکنے لگا... اس لمحے میں نے محسوس کیا... مجھ میں کوئی بڑی تبدیلی آ رہی ہے... اب میں پہلے جیسا نہیں رہا... میں اپنے آپ کو اجنبی اجنبی لگنے لگا... جیسے میں نے خود ہی اپنے آپ کو خود سے چھین لیا ہو... میرا جسم... میرا دل... میرا دماغ... میز پر پڑی زنجیر کی طرف کھینچنے لگا... کہنے کو میں مسہری پر تھا... لیکن در حقیقت میں مسہری سے بہت دور... میز کے پاس تھا... میں نے کوشش کی... خود کو میز سے مسہری پر لے آؤں، لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا... یہاں تک کہ عباس میاں کی آواز نے مجھے چونکا دیا:

''رات کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے... حسن میاں۔'' اس کے لہجے میں محبت تھی... شفقت تھی... اگرچہ مجھے یہاں آئے ابھی کچھ ہی گھنٹے ہوئے تھے۔

میں ان کے ساتھ چلتا کھانے کی میز پر پہنچا... اب پھر وہی منظر دیکھنے میں آیا... اندرونی دروازہ کھلا... میجر صاحب باہر نکلے اور ادب سے کھڑے ہو گئے... اب کرنل صاحب اور ان کی بیگم باوقار انداز میں قدم اٹھاتے باہر آئے اور میز کی طرف بڑھ گئے... ان کے بعد بیگم میجر اور عنبر باہر نکلے... میجر صاحب نے اپنی بیگم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور میز کی طرف بڑھے... اس کے ساتھ ہی دائیں طرف عنبر تھی... اس وقت وہ نئے لباس میں تھی... یعنی شام والا لباس تبدیل ہو چکا تھا... میرا ہاتھ جیب میں رینگ گیا... جونہی وہ میز کے قریب پہنچے... اور علیک سلیک ہو چکی تو میں نے زنجیر عنبر

کی آنکھوں کے سامنے لہرا دی:

''آپ کی زنجیر!'' میں مسکرا دیا۔

''اوہ شکریہ! میں اسے اپنے کمرے میں تلاش کر رہی تھی۔'' جواب میں اس کی مسکراہٹ میرے اندر ہل چل مچا گئی۔

پھر کھانا شروع ہوا... کھانے میں خاص اہتمام سے کام لیا گیا تھا... کئی قسم کی ڈشز تھیں اور بہت مزے دار تھیں:

''آپ کو ہمارے ہاں کے کھانے پسند آئے۔'' عنبر نے اس وقت کہا جب میجر صاحب کرنل صاحب کی کسی بات کو پوری توجہ سے سن رہے تھے۔

''میں شاید... اپنی زندگی کے بہترین کھانے کھا رہا ہوں۔''

''مطلب یہ کہ آپ یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے۔'' اس نے مجھے گھورا... لیکن یہ گھورنا بھی مجھے اچھا لگا۔

''میں شام کی چائے کے بعد بہت دیر تک پریشان رہی اور یہ سوچتی رہی کہ کہیں میرا آپ کو گھگو کہنا برا تو نہیں لگا۔''

''جی نہیں... مجھے تو بہت اچھا لگا تھا۔''

''مطلب یہ کہ میں آپ کو گھگو کہہ سکتی ہوں۔''

''ضرور... کیوں نہیں... میں ہوں ہی گھگو۔''

اسے ہنسی آ گئی... ہنسی کی آواز نے بڑوں کو ہماری طرف متوجہ کر لیا... انہیں سوالیہ انداز میں اپنی طرف دیکھتے پا کر عنبر فوراً بول اٹھی:

''پاپا... انہیں گھگو کہلائے جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔''

''اوہ سمجھا۔'' میجر ہنس دیے۔

وہ رات میری اس گھر میں پہلی رات تھی... اور وہ بھی قیامت بن کر گزری... تمام رات سو نہ سکا... نیند آئی بھی تو رات کے پچھلے پہر... آنکھ اس وقت کھلی جب عباس میاں مجھے ناشتے کے لیے اٹھانے آئے:

''یہ کیا! آپ تو ابھی تک سو رہے ہیں... اور ادھر تو ناشتے کی میز پر سب کے پہنچنے کا وقت ہو چکا

ہے...''

''مم... مجھے افسوس ہے... میری طبیعت ٹھیک نہیں... سر میں شدید درد ہے۔'' میں نے صاف جھوٹ بول دیا... سر بھاری ضرور تھا... لیکن اسے شدید سر درد نہیں کہا جا سکتا تھا۔

''اوہ اچھا... پھر میں آپ کا ناشتا یہیں لے آتا ہوں۔''

''آپ زحمت نہ کریں... میں کچھ دیر بعد خود ہی میز پر آ کر کر لوں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے... آپ کا ناشتا میز پر ملے گا۔'' عباس میاں یہ کہہ کر چلے گئے۔

مجھے اس بات کا افسوس تھا کہ ناشتے کی میز پر عنبر سے بات چیت نہ کر سکا... میں نے خود کو بُرا بھلا کہا اور تیار ہونے لگا... جب خیال آیا کہ گھر کے افراد ناشتا کر کے جا چکے ہوں گے تو اٹھا اور میز کی طرف چل پڑا... جونہی برآمدے کا موڑ مڑا، عنبر پر نظر پڑی... وہ میز پر تنہا بیٹھی تھی... میں چونک اٹھا... ادھر اس نے مجھے دیکھ لیا... وہ بے ساختہ مسکرا دی:

''آپ... آپ اب تک یہاں بیٹھی ہیں...؟'' میرے لہجے کی حیرت نے اسے پھر مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

''عباس میاں نے بتایا تھا کہ آپ کچھ دیر بعد آئیں گے۔'' وہ اتنا کہہ کر رک گئی۔

''آپ نے میری خاطر زحمت اٹھائی۔''

''نہیں تو...'' اس نے انکار میں سر ہلا دیا... پھر جلدی سے بولی:

''آپ کا ناشتا۔''

''اوہ ہاں...'' میں چونک کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا...

ناشتے کے دوران ہماری نظریں بار بار ٹکراتی رہیں... اس طرح ناشتے کا مزہ ہی اور آیا... میرا جی چاہا... میں اسی طرح ناشتا کرتا رہوں، میری عمر یونہی تمام ہو جائے... لیکن امید کے خلاف ناشتا بہت ہی جلد ختم ہو گیا... اور میں ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا:

''کچھ اور لاؤں؟''

''جی نہیں... میں فارغ ہو چکا۔''

''آیئے آپ کو اپنا کمرہ دکھاؤں۔''

اس کی یہ دعوت میرے لیے بہت خاص دعوت تھی... آہستہ آہستہ یہ یقین مجھے اپنے حصار میں

لے رہا تھا کہ عنبر بھی مجھ میں دلچسپی لے رہی ہے اور یہ احساس مجھے نئے جہانوں کی سیر کرا رہا تھا...

''نہیں موڈ ہے کمرہ دیکھنے کا؟'' اس کی آواز نے مجھے خیالات کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔

''اوہ نہیں... بھلا میں کیوں کمرہ نہیں دیکھوں گا... یہ تو بہت دل خوش کن پیش کش ہے۔''

''او ہو اچھا!'' وہ مسکرا دی... اس کا بات بات پر مسکرانا بہت بھلا لگتا تھا۔

پھر ہم دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ کوٹھی میں کل آٹھ کمرے تھے... ایک کمرہ میجر صاحب کے والدین کا تھا، دوسرا خود میجر صاحب اور ان کی بیگم کا، تیسرا کمرہ تھا عنبر کا... ایک بڑا کمرہ ڈرائنگ روم کے طور پر مستعمل تھا... باقی تین کمرے کوٹھی کے پچھلی طرف تھے... ان میں سے ایک کمرہ مجھے دیا گیا تھا... باقی دو کمرے خالی تھے... غالباً وہ زیادہ مہمان آ جانے کی صورت میں کام میں لائے جاتے تھے... کوٹھی کے دروازے کے اندر دونوں طرف باغیچے تھے اور سامنے کشادہ برآمدہ... ان کے چاروں کمرے اس برآمدے کے دونوں طرف تھے... برآمدہ عبور کر کے کوٹھی کے عقب میں جا سکتے تھے... وہاں تین کمرے تھے... برآمدہ آخر میں دائیں بائیں مڑتا تھا... دائیں طرف والا رخ ان تین کمروں کی طرف نکلتا تھا جب کہ بائیں طرف کے رخ سے وہ اس باغ میں آتے تھے جس میں کھانے کی میز تھی... غالباً گرمی کے موسم میں وہ کھانا اور ناشتا باغ میں کرتے تھے... سردی کے موسم میں کھانے کا کمرہ استعمال ہوتا ہوگا... وہ کمرہ کچن کے ساتھ ہی تھا... یہ تھا آٹھواں کمرہ... اس میں جانے کا ابھی تک اتفاق نہیں ہوا تھا... ان دنوں موسم اچھا بھلا گرم تھا۔

عنبر کا کمرہ دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی... اس میں ہر چیز قرینے اور ترتیب میں نظر آئی... خاص طور پر میرے لیے کتابوں کا ایک بڑا ریک دلچسپی کی چیز تھی...

''تو آپ کو بھی کتابوں سے دلچسپی ہے۔''

''بہت زیادہ... اور آپ کا لہجہ بتا رہا ہے... آپ بھی کتابوں کے رسیا ہیں۔''

''بالکل... لیکن ہو سکتا ہے... ہم دونوں کا ذوق مختلف ہو... میں تو رومانوی قسم کی چیزیں پسند کرتی ہوں۔''

''میں تاریخی کتب کا دلدادہ ہوں، تاہم رومان بھی تاریخ کا حصہ ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں رومان کا بھی حصہ ہے... تاریخی کردار رومان سے یکسر عاری تو تھے نہیں۔'' اس نے دل کش انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔'' میرے منہ سے نکل گیا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

میں گھبرا گیا... چنانچہ جلدی سے بولا:

''کک... کچھ نہیں۔''

''میں سمجھ گئی... میں خود رومانوی مزاج کی ہوں... یہی سننا چاہتے تھے نا آپ۔''

میرے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا... میں نے جلدی سے کہا:

''آپ کا کمرہ بہت خوب صورت ہے... میں ان کتب کا بھی باری باری مطالعہ کروں گا... اگر آپ کو کوئی اعتراض۔''

''ارے ارے... یہ آپ کیا کہنے جا رہے ہیں... اس کمرے کی ہر چیز آپ کی ہے۔''

''کک... کیا!!!'' میں دھک سے رہ گیا۔

''کیوں... کیا ہوا؟''

''کمرے کی چیزوں میں تو آپ بھی شامل ہیں۔''

''ارے واہ... خوب۔'' وہ ہنس دی... فوراً ہی بولی:

''آپ ان میں سے اپنی پسند کی کوئی کتاب شوق سے لے سکتے ہیں... رات کو نیند نہ آنے کی صورت میں کام آئے گی۔''

میں نے پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا... پھر کتابوں کے ریک کی طرف بڑھ گیا۔ ریک کے ساتھ ہی خوب صورت چادر والی مسہری بچھی تھی۔ ریک کے ساتھ ایک چھوٹی میز تھی اور ایک سیدھی کرسی... گویا سونے سے پہلے وہ بھی مطالعے کی عادی تھی... اچھی طرح دیکھے بھالے بغیر ہی میں نے ایک کتاب نکال لی...

''ذرا دیکھوں... کون سی کتاب پسند کی آپ نے!''

میں نے کتاب اس کی طرف بڑھا دی... کتاب کے نام پر نظر پڑتے ہی وہ بولی:

''واہ... بڑی بڑی آنکھیں... اوپندر ناتھ اشک... کیا خوب ناول ہے... آپ نے نہیں پڑھا اب تک۔''

''اتفاق نہیں ہوسکا... ویسے مجھے اوپندر ناتھ اشک بہت پسند ہے... اس کے ہاں رومان کی

اتھاہ گہرائی ملتی ہے۔''

''اور بلونت سنگھ کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟'' اس نے آنکھیں گھمائیں۔ اس کا یہ انداز مجھے انوکھا سا لگا... میرا جی چاہا، وہ ہر بار بات کرتے وقت اسی طرح آنکھیں گھمایا کرے۔

''بلونت سنگھ بھی مجھے بہت پسند ہیں...'' میں نے قدرے گھبرا کر کہا۔

''میرے کمرے کی ساری کتابیں آپ کی ہیں... ویسے میں آپ کی کتب بھی دیکھنا پسند کروں گی۔''

''اپنے ساتھ تو میں بس چند ایک کتابیں لایا ہوں... البتہ گھر میں میری بھی ایک چھوٹی سی لائبریری ہے۔''

''یہاں جو کتابیں ساتھ لائے ہیں... چلیے، ان کے نام ہی بتا دیں۔''

''میرے بھی صنم خانے، شہاب نامہ، اداس نسلیں... اور بھی چند ایک ہیں۔''

''آپ کی پسند بھی خوب ہے... اس کا مطلب ہے... خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔'' یہ کہتے ہوئے، اس نے بے ساختہ انداز میں ہاتھ آگے کر دیا... جیسے ہاتھ پر ہاتھ مار کر تصدیق چاہتی ہو اور غیر ارادی طور پر میں نے بھی اس کے ہاتھ پر آہستہ سے ہاتھ دے مارا۔

بجلی کا ایک کرنٹ تھا جو میرے بدن میں سے گزر گیا... شاید یہی کیفیت اس کی بھی ہوئی تھی... کیونکہ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا... عین اس لمحے کرنل صاحب کمرے کے سامنے سے گزرے اور مجھ پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رک گئے...

''حسن میاں! آپ یہاں... عنبر کے کمرے میں؟'' ان کے لہجے میں تعجب تھا... اور شاید یہ تعجب کسی درجے میں ناگواری بھی لیے ہوئے تھے... کم از کم میں نے یہی محسوس کیا تھا... اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، عنبر بول اٹھی:

''بڑے پاپا... میں انہیں اپنی لائبریری دکھانے یہاں لائی ہوں۔''

''اوہ اچھا اچھا۔'' انہوں نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گئے... نہ جانے کیوں میرا دل دھک دھک کرنے لگا... عنبر نے میری کیفیت کو بھانپ لیا، وہ مسکرا اٹھی۔

''بڑے پاپا نے بُرا نہیں مانا... آپ پریشان نہ ہوں۔''

''لل... لیکن... میرا دل گھبرا رہا ہے... میرا خیال ہے، مجھے اپنے کمرے میں چلے جانا چاہیے۔''

''آپ تو کچھ زیادہ ہی گھبرا گئے... آیئے میں آپ کو کمرے تک پہنچا آؤں۔''

"نن... نہیں... میں خود چلا جاتا ہوں۔"

اور پھر میں تیزی سے باہر نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا... مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مجھے مسلسل گھور رہا ہو... یہ احساس اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ میں اپنے کمرے میں داخل نہیں ہو گیا...

"ڈرپوک۔" میں نے اپنے آپ سے کہا۔

اب میں وہاں خوف زدہ سا رہنے لگا... عنبر نے اس تبدیلی کو فوراً ہی محسوس کر لیا... لیکن اس نے میرا خوف دور کرنے کے سلسلے میں کوئی کوشش نہ کی... بلکہ اب تو میں یہ محسوس کرنے لگا تھا جیسے اسے اب میری ذات میں سرے سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی ہو... اس کا یہ انوکھا رویہ میری سمجھ سے باہر تھا... میری بے چینی بڑھنے لگی... یہاں تک کہ عروج پر پہنچ گئی... آخر میں نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا... ناشتے کے کچھ ہی دیر بعد اچانک میں اس کے کمرے کے دروازے پر جا پہنچا... وہ اپنے بستر پر نیم دراز کسی کتاب میں گم تھی:

"میں اندر آ سکتا ہوں۔"

"اوہ آپ! آیئے آیئے۔" وہ جلدی سے سیدھی ہو گئی، کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔

"آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں... لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں... میری طرف سے تو کوئی بات بھی نہیں ہوئی... یہاں تک کہ کر میں اس کی طرف دیکھنے لگا... میرا دل بیٹھا جا رہا تھا...

"میرے خیال میں تو ایسی کوئی بات نہیں... بھلا میں کیوں آپ سے ناراض ہوں گی... سب کچھ معمول کے مطابق تو ہے..."

"جب کہ میں محسوس کر رہا ہوں... زمین اور آسمان بدل گئے ہیں۔"

"یہ صرف آپ کے محسوسات ہیں... ہمارے گھر میں تو کچھ بھی نہیں بدلا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو... کیا آپ کچھ دیر کے لیے میرے کمرے میں آ سکتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

ایک رنگ اس کے چہرے پر آ کر گزر گیا... پھر اس نے فوراً کہا:

"ہاں! کیوں نہیں... لیکن آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دیکھیے! اگر مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہے... کوئی غلطی ہو گئی ہے... تو مجھے بتا دیں... ویسے

کوئی بات ہوئی ضرور ہے۔"

"بالکل کوئی بات نہیں ہوئی... میں آتی ہوں... آپ چلیں۔" وہ مسکرا دی۔

یہ سن کر میری جان میں جان آئی... میں فوراً اپنے کمرے میں چلا آیا... اور لگا عنبر کا انتظار کرنے... چند منٹ گزر گئے... عنبر نہ آئی... اب تو ہر لمحہ بھاری گزرنے لگا... بے تابی نے مجھے پوری طرح اپنے حصار میں لے لیا... دل ڈوبنے لگا... ہر لمحے گھڑی پر نظر جانے لگی... میں نے بار بار خود سے کہا:

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... حوصلہ رکھو... وہ آتی ہو گی... کوئی کام پڑ گیا ہو گا... والدہ نے یا والد نے آواز دے لی ہو گی... یا پھر دادا جان نے کسی کام سے بلا لیا ہو گا... ورنہ وہ رکنے والی نہیں... خود اسی نے تو کہا تھا... آپ چلیں، میں آتی ہوں... اگر آنا نہ ہوتا تو وہ یہ کیوں کہتی..."

ایسے میں کھڑ کھڑاہٹ ہوئی... میری نظریں فوراً کمرے سے باہر اٹھ گئیں... لیکن وہ تو کچھ پتے کھڑکھڑائے تھے... کیا وقت آ گیا تھا... پتوں کی کھڑکھڑاہٹ بھی عنبر کی آہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اور پھر تقریباً نصف گھنٹا گزر گیا... اب تو میں قریب قریب مایوس ہو گیا... دل بیٹھنے لگا... کلیجہ منہ کو آنے لگا... جی ہاں... فوراً اس کے کمرے میں چلا جاؤں... اس سے پوچھوں... کیا ہوا... آپ نے تو آنے کا وعدہ کیا تھا... آپ آئیں کیوں نہیں... کئی بار میں اس ارادے سے اٹھا، لیکن پھر بیٹھ گیا... ہمت بار بار جواب دیتی رہی... آخر بے دم ہو کر بستر پر گر گیا... اور لمبے لمبے سانس لینے لگا... اسی شام چائے کی میز پر میجر صاحب نے مجھ سے کہا:

"بیٹے حسن آپ کی ملازمت کا بندوبست ہو گیا ہے... کل آپ کا انٹرویو ہے... اور دوسرے ٹسٹ وغیرہ ہوں گے... دفتر خارجہ شعبہ اکاؤنٹ کی ملازمت آپ کے لیے کافی دل کش ثابت ہو گی، ان شاءاللہ!"

"بہت بہت شکریہ انکل۔" میں مسکرا دیا... میں نے پوری کوشش کی تھی کہ بھرپور انداز میں مسکراؤں... لیکن شاید میں ایسا نہ کر سکا... دوسری طرف انکل کہہ رہے تھے:

"کل میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا... ٹسٹوں کا سلسلہ غالباً تین چار روز جاری رہے گا... اس کے فوراً بعد آپ ڈیوٹی جائن کریں گے..."

"جی ٹھیک ہے۔" میں نے فوراً کہا۔

بات چیت کے دوران میں نے دزدیدہ انداز میں عنبر کی طرف دیکھا... اس کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی تاثرات نہیں تھے۔ میرے اندر طوفان سے اٹھ رہے تھے۔ پھر یہ طوفان میری زبان پر

آ گئے... میں بول اٹھا:

"عنبر صاحبہ! میں نے وہ کتاب ختم کر لی ہے... میں وہ تبدیل کرنے کے لیے آ رہا ہوں۔"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا، ادھر کرنل صاحب نے عنبر کی طرف دیکھا... عنبر ان کی طرف دیکھتے ہی جلدی سے بولی:

"آپ کیوں زحمت کرتے ہیں... انکل عباس میاں کو بھیج کر منگوا لیتی ہوں۔"

"لیکن مجھے کوئی اور کتاب بھی تو لینا ہے۔"

"اوہ اچھا... ٹھیک ہے۔" اس کے انداز سے پریشانی جھلک اٹھی۔

میں نے قدرے اطمینان کا سانس لیا کہ چلو، ملاقات کے کچھ لمحات تو میں نے نکال ہی لیے... اس دوران میں ضرور عنبر کو ٹٹولوں گا...

چائے کے بعد میں کمرے میں آیا، کتاب اٹھائی اور عنبر کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا... کمرے کا دروازہ کھلا تھا... لیکن اندر عنبر نہیں تھی... میں دھک سے رہ گیا... مجھے اس بات کی امید ایک فیصد بھی نہیں تھی... صاف ظاہر ہے، اس کا مطلب یہ تھا... اندر آ کر کتاب رکھ دیں اور پسند کی دوسری لے لیں...

میں نے دکھے دل سے کتاب اس کی جگہ ریک میں رکھی... اور دیکھے بغیر ہی ایک کتاب نکال لی... پھر اپنے کمرے میں چلا آیا... اب میرا سکون درہم برہم ہو چلا تھا۔ دوسرے دن سے ملازمت کے حصول کا چکر شروع ہوا... ذرا دیر کے لیے میں نے خود کو سمجھایا... کہ ملازمت کے لیے بہت سنجیدگی سے کوشش کرنی چاہیے... اگر میں انٹرویو اور ٹسٹوں میں رہ گیا تو اس گھرانے میں سبھی کی نظروں سے گر جاؤں گا... پہلے ہی معاملہ اکھڑا اکھڑا سا ہے... چنانچہ میں ملازمت کے سلسلے میں پوری طرح سنجیدہ ہو گیا... چند دن کے لیے عنبر کے خیال کو اپنے آپ سے الگ کر دیا... اگرچہ ایسا کرنا مشکل بہت مشکل لگا... لیکن انٹرویو میں ناکامی کے خوف نے ایسا کرنے میں مدد کی۔

میں ایک ہفتے تک بری طرح مصروف رہا، آٹھویں دن معلوم ہوا... میں نے انٹرویو اور تمام ٹسٹ کلیر کر لیے تھے اور ملازمت مل گئی تھی... اگلے دن سے ہی ڈیوٹی جوائن کرنا تھی... اسی شام چائے کی میز پر میجر انکل نے کہا:

"بیٹے حسن! آپ کو ملازمت مبارک۔"

"اور میری طرف سے بھی۔" کرنل صاحب نے فوراً کہا۔

پھر بیگم صادق اور بیگم کرنل نے بھی مجھے مبارک باد دی... ایک لمحے کے لیے میرا دل اچھل کر حلق تک آ گیا... میرے دماغ میں خوفناک سوال گونجا:

"کیا... کیا عنبر مجھے مبارک باد نہیں دے گی۔"

پھر اچانک میرے کانوں میں جلترنگ بجے:

"آپ کو ملازمت مبارک۔"

"شکریہ! آپ سبھی کا... اور ویسے بھی یہ سب آپ کی کوشش سے ہوا۔"

"حسن! آپ میرے بیٹے ہیں... میرا کوئی بیٹا ہوتا تو میں اس کے لیے بھی اتنی کوشش کرتا جتنی آپ کے لیے کی ہے... اب آپ پہلی فرصت میں ہمارے دوست کو فون کرو... انہیں بتاؤ... آپ آج سے سرکاری ملازم ہیں..."

"جی بہتر!"

میرا تو رواں رواں خوشی سے جھوم رہا تھا... عنبر نے مجھے مبارک باد دی تھی... مجھے اور چاہیے کیا تھا... خیر اسی شام میں نے ابا جان کو فون کیا۔ انہیں خوش خبری سنائی تو وہ پکار اٹھے:

"بس بس... میں وہیں آ رہا ہوں... صادق کا شکریہ ادا کرنے۔"

"جی اچھا۔" میں خوش ہو گیا... اس خبر نے میرے اندر تقویت کا ایک احساس پیدا کر دیا... ابا جان آ رہے ہیں... اب ہم چند دن کے لیے یہاں ایک سے دو ہونے والے تھے... میں نے دل ہی دل میں ٹھان لی... ابا جان کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دوں گا... انہیں بتا دوں گا... یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ ہے... ہاں میں عنبر کے بغیر نہیں رہ سکتا... آپ بس ان سے عنبر کا رشتہ مانگ لیجیے... آپ سے بڑھ کر ان کا کون دوست ہو گا... آپ کا کہا انہیں ماننا ہو گا... اور نہیں تو کیا...

ان خیالات نے مجھے ایک عجیب سی طمانیت بخشی... اس رات میں پرسکون نیند سویا۔ دوسرے دن دفتر میں پہلا دن تھا... لہٰذا تیاری کی اور دفتر چلا گیا... دفتر سے لوٹا تو ابا جان پہنچ چکے تھے... پر جوش انداز میں مجھے گلے سے لگا لیا... پھر چہرے کی طرف دیکھ کر پریشان ہو گئے:

"حسن! بیمار رہے ہو کیا... اللہ کا شکر ہے... میں تمہاری ماں کو ساتھ نہیں لایا... وہ تو دھک سے رہ جاتی... کیا ہوا تمہیں۔"

"میں... میں تو بالکل ٹھیک ہوں ابا جان۔" میں مسکرایا۔

"صادق... تم بتاؤ... کیا ہوا میرے لال کو..."

"میرے علم کے مطابق تو کچھ نہیں ہوا... یہ تمہیں کمزور لگ رہے ہوں گے... باپ کی محبت ایسی ہی چیز ہوتی ہے... ماں باپ سے اولاد چند دن کے لیے جدا ہو جائے تو ملاقات ہونے پر وہ انہیں کمزور ہی لگتی ہے..."

"ضرور یہی بات ہے..."

والد صاحب ان سب کے لیے بہت قیمتی اور ڈھیر سارے تحفے لائے تھے... وہ سب بہت دیر تک ان تحائف کو دیکھتے رہے اور بچوں کی طرح خوش ہوتے رہے... والد صاحب میجر صاحب سے اپنے بچپن کی باتیں کیے جا رہے تھے اور وہ بھی بار بار ان یادوں میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ شامل کرتے جا رہے تھے... آنٹی رابعہ خاتون اور عنبر اپنے تحائف میں گم تھیں... بڑے کرنل اور ان کی بیگم اپنے حصے کی چیزیں لیے بیٹھے تھے... ان لمحات میں وہ سب مجھے بچے لگے... لیکن پھر میں نے سوچا... آدمی کی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے... اس میں اس کا بچپن موجود رہتا ہے... رات گئے تک یہ محفل جوان رہی... پھر سونے کی ٹھہری... میں والد صاحب کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا... انہوں نے اندر آتے ہی کہا:

"ہاں حسن... اب بتاؤ... تمہیں ہوا کیا ہے؟"

"میں... ابا جان میں۔"

اور میں سسک پڑا... والد پریشان ہو گئے... گھبرا گئے... انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا...

"میرے بچے... مجھے بتاؤ... بات کیا ہے... کیا ان لوگوں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا... اگر یہ بات ہے تو تم یہاں نہیں رہو گے... یہاں میرے اور بھی کئی دوست ہیں... ورنہ ہم یہاں کوئی کوٹھی خرید لیتے ہیں... میں اور تمہاری ماں بھی یہیں آ جاتے ہیں... ہم مل کر رہیں گے... میں اپنا کاروبار بھی اسی شہر میں شروع کر سکتا ہوں..."

"جی... وہ... عنبر۔"

میرے منہ سے نکل گیا:

•●•

چوتھا باب

انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا... ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے، تاہم وہ پرسکون انداز میں مجھ سے مخاطب ہوئے:

"عنبر! کیا تم عنبر میں دلچسپی لے رہے ہو..."

"جی... جی... وہ... میں..." میں اٹکنے لگا، کوئی بات بن نہ پڑی۔

"اگر بات یہی ہے تو میرے خیال میں یہ کوئی مشکل کام نہیں... صادق میرا کہا نہیں ٹال سکتا... میں اس سے عنبر کا رشتہ مانگوں گا... تم یہی چاہتے ہو نا؟"

"جی... جی ہاں۔" آخر میں نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

"تم فکر نہ کرو... بس اتنا بتا دو... کیا عنبر کو بھی تم میں دلچسپی ہے؟"

"ہم... میں... میں یقین سے نہیں کہہ سکتا... تاہم میں نے اس کی آنکھوں میں ناپسندیدگی نہیں دیکھی۔"

"خیر... تم بالکل بے فکر ہو جاؤ... یہ کام میرے ذمے رہا... لیکن میں اس مرتبہ ان سے یہ بات نہیں کروں گا... چند دن بعد تمہاری والدہ کے ساتھ آؤں گا... تب ہم ان سے کھل کر بات کریں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" میں نے اس لمحے گہرا اطمینان محسوس کیا۔

پھر والد صاحب ایک ہفتے بعد آنے کا کہہ کر چلے گئے... اب یہ ایک ہفتہ گزارنا میرے لیے مسئلہ بن گیا... بار بار دن گننے لگا... ایک ایک دن کو کئی کئی بار گنتا تھا... اور رات دن تھے کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے... ادھر عنبر اسی طرح جمود کی حالت میں تھی... ناشتے اور کھانے کی میز پر علیک سلیک ضرور ہوتی... بس اس سے زیادہ کوئی بات نہ ہوتی... میں کوشش کر کے کوئی بات پوچھ لیتا تو جواب ہوں ہاں میں ملتا... اور میرا دل پھر بیٹھنے لگتا... والد صاحب کا ساتھ دینے کا خیال آتا تو کچھ ہمت بندھ جاتی

...غرض میں امید اور نا امیدی کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا... آخر خدا خدا کر کے سات دن کٹ گئے... ابا جان امی جان کے ساتھ آگئے... ان کی آمد نے گھر میں گہما گہمی بڑھا دی... ان میں بہت گاڑھی چھنتی تھی... اب والد صاحب میجر صادق کے ساتھ بات چیت میں گم ہو جاتے اور والدہ ان کی بیگم کے ساتھ جٹ جاتیں... کرنل صاحب اپنی بیگم کے ساتھ اپنے کمرے میں چلے جاتے... رہ جاتے میں اور عنبر... ہم میں خاموشی کی دیوار بدستور حائل تھی... اور اس تبدیلی کی وجہ مجھے اب تک معلوم نہیں ہو سکی تھی... تاہم یہ بات اب واضح ہو چکی تھی کہ اس میں کوئی تبدیلی ضرور آئی تھی... اگرچہ اس کا کہنا یہ تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

اور پھر اسی شام والد صاحب نے مجھ سے کہا:

"ہم آج رات کھانے کے بعد اس سلسلے میں ان حضرات سے بات کریں گے، لہٰذا تم کھانے کے بعد اپنے کمرے میں چلے آنا... "

"جی اچھا۔"

کھانے کے بعد میں نے اٹھنے میں جلدی دکھائی... اس پر میں نے عنبر کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک دیکھی... نہ جانے کیوں... اس کی حیرت پر مجھے خوشی کا احساس ہوا... میں اپنے کمرے میں چلا آیا... وہ لمحات میری زندگی کے مشکل ترین لمحات تھے... ایک ایک لمحے کا گزرنا ناممکن سا لگ رہا تھا... پھر رات کے گیارہ بجے میرا انتظار ختم ہوا... ابا جان اور امی جان کمرے میں داخل ہوئے۔ میں بے تابانہ انداز میں کھڑا ہو گیا... پھر جونہی میری نظریں ان کے چہرے پر پڑیں... میں دھک سے رہ گیا... دل ڈوبنے لگا، جان نکلتی محسوس ہوئی...

"نن... نہیں... نہیں... مجھے کوئی بُری خبر نہ سنایئے گا... میں... میں برداشت نہیں کر سکوں گا... میرا دل پھٹ جائے گا امی جان۔" میں رو پڑا۔

"میرے بچے!" امّی بھی رونے لگیں...

"تت... تو... تو انہوں نے انکار کر دیا؟" میں نے نہ جانے کتنی مشکل سے یہ جملہ کہا۔

"نہیں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"جی... کیا مطلب... انہوں نے انکار نہیں کیا؟"

"بات انکار یا اقرار کی ہے ہی نہیں میرے بچے... عنبر کا رشتہ بہت پہلے کرنل صاحب کر چکے ہیں

...اور اس گھر میں حکم صرف کرنل صاحب کا چلتا ہے... میجر صادق آج تک باپ کے سامنے نہیں بولے.. اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے.. وہ اس بارے میں ان سے کچھ کہیں گے بھی نہیں.. تاہم۔"

"تاہم کیا۔" میں تڑپ کر بولا۔

"تاہم انہوں نے ہمیں یہ اجازت دی ہے کہ ہم خود کرنل صاحب سے اس بارے میں بات کرلیں... اگر وہ اس رشتے کو منظور کرلیں... تو انہیں خوشی ہوگی... اگر اس رشتے کے حق میں نہیں تو اس رشتے کو ناپسند کرنے کی بھی ان کے پاس کوئی وجہ نہیں ہے... مطلب یہ کہ میجر صادق صاحب کو وہ رشتہ پسند ہے جوان کے والد نے طے کیا ہے... لیکن اگر کسی وجہ سے ان کے والد اس رشتے کو توڑ دیں تو اس سے انہیں کوئی رنج نہیں ہوگا... بلکہ تمہاری وجہ سے ایک حد تک خوشی ہوگی... اور دیکھو حسن... یہ باتیں انہوں نے صاف صاف کی ہیں... کسی قسم کی کوئی بات غیر شفاف انداز میں نہیں کہی... ان حالات میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ میجر صادق اور بھابی رابعہ خاتون اس معاملے میں سو فیصد غیر جانب دار ہیں ...اور میں سمجھتا ہوں... یہی خیالات عنبر کے بھی ہیں... وہ اپنے دادا جان کے فیصلے سے ناخوش ہرگز نہیں ہے... لیکن اگر دادا جان پہلے رشتے کو چھوڑ دیتے ہیں تو اس صورت میں اسے کوئی رنج بھی نہیں ہو گا... کیونکہ وہ رشتہ دراصل دادا جان کی پسند ہے... اور اس گھر میں ہر کوئی دادا جان کی پسند کو پسند کرتا ہے... اور ایسا وہ دل پر جبر کر کے نہیں... خوشی سے کرتا ہے... تم یوں کہہ سکتے ہو کہ اس گھر کا ہر فرد دادا جان سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ بس جو فیصلہ وہ کر دیتے ہیں... سب اس پر خوش ہو جاتے ہیں... کہنے کو ہم یہ بات یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کسی کی اپنی کوئی مرضی نہیں... سب دادا جان کی مرضی میں راضی ہیں... اور اسی میں خوش ہیں... اب تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ ان حالات میں ہمارا کام کس قدر مشکل ہو گیا... لیکن میں تمہارے لیے یہ کوشش بھی کروں گا... دادا جان مجھے پسند کرتے ہیں... انہوں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ ہمارے بیٹے صادق نے ایک اچھے دوست کا انتخاب کیا ہے... اور حسن... تم یہ بھی سن لو... میں اپنے دوست کو کوئی رنج نہیں پہنچاؤں گا... نہ دادا جان سے زبردستی بات منوانے کی کوشش کروں گا... بس یہ ایک سرسری سی کوشش ہوگی... آگے تمہاری قسمت... ویسے میں تمہیں پہلے ہی کہے دیتا ہوں... تمہیں بھی دادا جان کے فیصلے سے خوش ہونا چاہیے..."

"نن... نہیں... نہیں۔" وہ چلّا اٹھا۔

"اپنی آواز کو بلند نہ کرو حسن... میں اپنے دوست کو کھونا نہیں چاہتا..."

"اور میں... میں..." میں آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"ہاں میں سمجھتا ہوں... تم میں بھی عنبر کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے... لیکن تم یہ بھی تو سوچو، تم سے پہلے ہی وہ کسی سے منسوب ہو چکی ہے... آخر اس شخص کا کیا قصور ہوگا کہ یہ لوگ اس سے رشتہ نہ کریں... اسے کس بات کی سزا دی جائے گی..." ابا جان کہتے چلے گئے۔

ان باتوں میں بے شمار وزن تھا، ٹھہراؤ تھا... ایک پختگی تھی... میں ان کے الفاظ کے سامنے خود کو بالکل بے بس پا رہا تھا... لیکن عنبر کا خیال ان سب باتوں کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا

...ابا جان کہہ رہے تھے:

"اب تم کل تک انتظار کرو... ہم کل صبح ناشتے کے بعد کرنل صاحب سے بات کریں گے... اور اپنی طرف سے پرخلوص کوشش کریں گے..."

اس کے بعد کمرے میں موت کی خاموشی چھا گئی... اور مجھ سے نیند کوسوں دور چلی گئی:

• • •

دوسری صبح ناشتے کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا... ایک بار پھر جان لیوا انتظار شروع ہوا... اس بار تو مجھ پر شدید گھبراہٹ بھی طاری تھی... میں خود کو ایک ہارا ہوا جواری خیال کر رہا تھا... جس کے پاس لگانے کے لیے بس آخری پونجی رہ گئی تھی... اور وہ اس کو بھی داؤ پر لگا چکا تھا...

ایک گھنٹے بعد میں نے قدموں کی آہٹ سنی... نظریں اٹھائیں... والدین پر نظریں پڑیں تو میں ساکت ہو گیا... ان کے چہرے بتا رہے تھے... وہ میرے لیے انکار میں جواب لائے ہیں... میں بے دم ہو کر بستر میں گر پڑا... میرے منہ سے نکلا:

"نہیں... نہیں... نہیں۔"

"کرنل صاحب نے بہت ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنی ہے حسن! انہوں نے نہ تو کوئی ناراضی ظاہر کی نہ غصہ دکھایا... پوری بات سن کر صرف اتنا کہا... اگر میں پہلے ہی عنبر کا رشتہ نہ کر چکا ہوتا تو اس رشتے سے مجھے قطعاً انکار نہ ہوتا... لیکن اب میں مجبور ہوں... زبان دے چکا ہوں... اب لڑکے والوں سے کیسے کچھ کہہ سکتا ہوں... ہاں کوئی بات ہوئی ہوتی... لڑکے کے کردار کے بارے میں کوئی ایسی ویسی خبر ملی ہوتی تو اصولی طور پر ان سے بات کی جا سکتی تھی... اب میں مجبور ہوں... پھر آپ یہ بھی تو سوچیں ... لڑکے والے ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے... ہم کس قسم کے لوگ ہیں... جنھیں ذرا بھی اپنی

زبان کا پاس نہیں... بس میرے بچے... کرنل صاحب نے اتنا کہا اور خاموش ہو گئے... ان کی خاموشی ہم سے صرف یہی کہہ رہی تھی... اب آپ لوگ جا سکتے ہیں... اس سلسلے میں کچھ نہیں ہو سکتا... سو ہم اٹھ کر چلے آئے۔"

"یہ... یہ تو آپ نے مجھے بہت ہولناک فیصلہ سنا دیا... میں... میں تو عنبر کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور تک نہیں کر سکتا... آپ نے تو مجھے جیتے جی موت کے حوالے کر دیا... آپ... ابو... امی... آپ تو میرے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے..." یہ کہتے ہوئے میں سسک اٹھا۔

"میرے بچے۔" ماں بے چین ہو گئی... اس نے مجھے سینے سے لگایا اور رونے لگیں... ابا جان کی آنکھوں سے بھی آنسو گرنے لگے... مجھے اپنا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا محسوس ہو رہا تھا... ایسے میں میری ماں نے کہا:

"بیٹے... دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت لڑکیاں موجود ہیں... ہم تمہارے لیے عنبر سے بھی اچھی لڑکی تلاش کریں گے... یہ کام تم ہمارے ذمے چھوڑ دو... ایک آدھ ماہ میں ہی ہم یہ کام کر کے دکھا دیں گے..."

"یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے ماں۔" میں تڑپ اٹھا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"عنبر سے بڑھ کر بھلا اس دنیا میں کون خوب صورت ہو سکتا ہے... اور اگر کوئی مل بھی جائے تو مجھے کیا... جو بات عنبر میں ہے... مجھے وہ بات کسی اور میں نظر آ جائے... ممکن نہیں... لہٰذا آپ اس کہانی کو بس یہیں ختم کر دیں... اب میں ساری زندگی شادی نہیں کراؤں گا..."

"یہ... یہ تم کیا کہ رہے ہو حسن... پاگل نہ بنو... ابھی تم نے زندگی کا دیکھا ہی کیا ہے... تم نہیں جانتے... زندگی کیا ہے... زندگی میں ایسی اونچ نیچ آتی رہتی ہے، میرے خیال میں اب تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا... میں فوری طور پر تمہیں ایک اور دوست کے ہاں لے چلتا ہوں... وہاں تم سے بہت اچھا سلوک ہوگا..."

"اس کا مطلب ہے... آپ مجھے عنبر کی زندگی سے نکل جانے کا کہہ رہے ہیں..."

"دیکھو بیٹے... غور کرو... یہ گھرانا عنبر کا رشتہ وہیں کرے گا... جہاں وہ منسوب ہو چکی ہے... تمہاری دلچسپی کی بات بھی اب سب کو معلوم ہو چکی ہے... ان حالات میں تمہارا یہاں رہنا ایک

عجیب سی کش مکش پیدا کرے گا اور یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوگا... اب میں جو کہہ رہا ہوں... تم اسے مان لو... اسی میں سب کی بھلائی ہے۔"

اور میں نے سر جھکا دیا... میں اس وقت ان سے اور کہہ بھی کیا سکتا تھا... والد صاحب مجھے اپنے ساتھ لیے خاموشی سے نکل آئے... انہوں نے میجر صاحب یا کسی اور کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا... والدہ البتہ وہیں رہ گئی تھیں۔ ظاہر ہے، والد صاحب کو مجھے اپنے دوست کے ہاں چھوڑ کر یہاں واپس آنا تھا... اور پھر ان لوگوں سے اجازت لینا تھی...

والد صاحب کے دوسرے دوست کا نام عدنان منیر تھا... وہ ایک ڈاکٹر تھے... والد صاحب کو دیکھتے ہی وہ تو اچھل پڑے... بہت گرم جوشی سے ملے... انہوں نے میرا تعارف ان سے کرایا تو وہ مجھ سے بھی لپٹ لپٹ گئے... پھر والد صاحب نے ان سے کہا:

"میرا بیٹا کچھ دن تک آپ کے ہاں ٹھہرے گا... ابھی اس کی ملازمت بالکل نئی ہے... میں بہت جلد اس کے لیے یہاں رہائش کا انتظام کردوں گا۔"

"الطاف! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں... کیا یہ گھر ان کا نہیں... یہ گھر اور اس کی ہر چیز ان کی ہے... کوئی ضرورت نہیں کہیں رہائش تلاش کرنے کی... خبردار! میں جانے دوں گا بھی نہیں۔"

"اچھی بات ہے... فی الحال میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔"

کچھ دیر بیٹھ کر اور چائے پی کر ابا جان نے اجازت چاہی... میں اور ڈاکٹر صاحب انہیں رخصت کرنے دروازے تک گئے... اس وقت والد صاحب نے میری طرف دیکھا، پھر مجھے سینے سے لگا لیا اور رو دیے... ادھر میں بھی سسک پڑا:

"ارے ارے بھئی... یہ کیا بچوں کی طرح رونے لگے... یار الطاف... آپ کا شہر اتنا دور تو نہیں... ہر ہفتے ادھر کا چکر لگا سکتے ہیں... یا حسن گھر کا چکر لگا سکتا ہے... تو پھر یہ رونا کیسا؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ رونا ذرا اور قسم کا رونا ہے... فرصت کے وقت حسن سے پوچھ لیجیے گا..."

"اوہو... اچھا؟" انہوں نے مارے حیرت کے کہا۔

اور پھر وہ چلے گئے... اس نئے گھر میں بھی مجھے ایک کمرہ مل گیا... ڈاکٹر صاحب بہت شفیق لگے... انہوں نے گھر کے ملازم اور دوسرے افراد کو میرے بارے میں ہدایات دینا شروع کر

دیں... گھر کے ملازم کا نام شریف تھا... ڈاکٹر صاحب کے ہاں تین لڑکیاں تھیں... ان کی بیگم ایک سیدھی سادی اور کم پڑھی لکھی خاتون تھی... البتہ لڑکیاں بہت شوخ اور چنچل تھیں... کالج میں پڑھ رہی تھیں... یوں لگتا تھا جیسے شوخی اور شرارت ان کی رگ رگ میں بسی ہوں... ڈاکٹر صاحب نے جب ان کا تعارف حسن سے کرایا تو ان میں سے ایک نے فوراً کہا:

"بہت سیدھے سادے سے نظر آرہے ہیں بے چارے۔"

"نئے نئے ہیں نا... دو چار دن گزرنے پر ہمارے رنگ میں رنگ جائیں گے... اور پھر خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" دوسری نے کہا۔

"دو نہیں... چار۔" تیسری کھٹ سے بولی۔

ان کے نام ارم، نیلم اور شبنم تھے... ڈاکٹر صاحب کی بیگم کا نام سعدیہ تھا... ان کا گھر بھی خوب صورت تھا... اور اس میں دس کمرے تھے... کوٹھی کے پچھلی طرف ایک کشادہ باغ بھی تھا... تینوں لڑکیاں اچھی شکل صورت کی تھیں... لیکن مجھے ان میں عنبر والی ایک بات بھی محسوس نہ ہوئی... عنبر کی بات ہی اور تھی...

دوسرے دن ناشتے کی میز پر ڈاکٹر صاحب نے کہا:

"بھئی حسن... وہ آپ کے والد صاحب کہہ رہے تھے... یہ رونا ذرا اور قسم کا رونا ہے... ہم بھی تو سنیں... وہ رونا کس قسم کا تھا۔"

میرے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ والد صاحب تو مجھے الجھن میں ڈال گئے تھے... مرتا کیا نہ کرتا، انہیں اپنی اور عنبر کی کہانی سنادی... جونہی میں خاموش ہوا، ارم بول اٹھی:

"چچ... چچ... بے چارے عشق کے مارے ہیں... عشق کا کاٹا تو یوں بھی پانی نہیں مانگتا۔"

"بُری بات ارم... یہ بے چارے تو ماشاءاللہ زندہ سلامت ہیں۔" نیلم تڑ سے بولی۔

"سوال یہ ہے، ہم ان کے کس کام آسکتے ہیں؟"

"یہ تو ڈیڈی بتائیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں... یہ زخم خوردہ ہیں... ان کے زخموں پر مرہم رکھو... انہیں اداس نہ ہونے دو... انہیں گھماؤ، پھراؤ... کھلاؤ پلاؤ... یہاں تک کہ یہ عنبر کو بھول..."

"یہ... یہ نہیں ہوسکتا انکل... میں عنبر کو نہیں بھول سکتا... چاہے کچھ ہوجائے..."

''بھئی! ابھی آپ بچے ہیں... وقت بہت بڑا مرہم ہے... آہستہ آہستہ آپ عنبر کو بالکل بھول جائیں گے... ارم، نیلم اور شبنم آپ کو عنبر سے بہت دور لے آئیں گی۔''

''مم... میں نے کہا نا انکل... یہ نہیں ہوسکتا... عنبر میری زندگی ہے... بھلا کوئی اپنی زندگی کو بھی بھول سکتا ہے... نہیں... ہرگز نہیں۔''

''خیر بھئی... ہم بھی دیکھیں گے... ایک دن آپ خود کہہ اٹھیں گے... وہ سب میرا پاگل پن تھا...''

''آپ لوگ محبت کو پاگل پن کہتی ہیں۔'' میں نے بُرا سا منہ بنایا۔

''ہم ایسی محبت کو پاگل پن کہتے ہیں جو ایک طرفہ ہو... معاملہ دو طرفہ ہو تو وہ پاگل پن نہیں... کیونکہ اس صورت میں شادی کے امکانات ہیں... جب کہ آپ کے معاملے میں کیا ہے... کچھ بھی نہیں... عنبر صاحبہ کی شادی ہو جائے گی... آپ کیا کریں گے... ظاہر ہے، آپ بھی کسی سے شادی کرلیں گے... پھر کہاں کی محبت... کہاں کی عنبر...؟'' شبنم نے شوخ لہجے میں کہتی چلی گئی۔

''نن... نہیں... ایسا نہیں ہوگا... میں... میں تمام عمر شادی نہیں کروں گا۔''

''واقعی۔'' ان تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''اور نہیں تو کیا...''

''اُو! یہ تو پورے پورے مجنوں بننے چلے ہیں... انہیں سمجھایئے۔'' ارم نے مصنوعی سنجیدگی طاری کرلی۔

''ضرور سمجھاؤں گا... بس تم حسن کا پیچھا چھوڑ دو... وقت کے ساتھ ساتھ ہی غم کے اثرات ختم ہوتے ہیں... ابھی تو معاملہ بالکل تازہ ہے... ابھی نہ یہ میری سنیں گے... نہ تمہاری... بس میں نے جو کہا ہے... تم صرف وہ کرو۔''

اور پھر ان کے ساتھ سیر سپاٹے کے پروگرام شروع ہوئے... لیکن میری آنکھوں کے سامنے تو بس ہر وقت عنبر ہی رقصاں رہتی تھی... ایک دن میں چھپ چھپاتے کوٹھی سے نکل آیا... ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور انکل میجر صادق صاحب کی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر اتر گیا۔ پھر پیدل چل کر کوٹھی کے نزدیک چلا آیا... بس بہت دیر تک کھڑا رہا... جب کھڑا کھڑا تھک گیا تب واپس چلا آیا... اس میں مجھے ایک لذت سی محسوس ہوئی۔ دوسرے دن پھر پہنچ گیا... اب تو یہ میرا معمول بن گیا... اور پھر ایک دن مجھے

میجر صاحب نے دیکھ لیا... ان کے چہرے پر حیرت کی بجلی چمکی... فوراً میری طرف لپکے... نزدیک پہنچتے ہی بولے:

''حسن تم... تم اس طرح یہاں کھڑے ہو... میرے بچے... یہ... تم نے اپنی کیا حالت بنالی...''

''انکل... میں تو یہاں روز ہی کھڑا رہتا ہوں... آپ نے آج ہی دیکھا ہے۔''

''اُف میرے مالک... آؤ حسن... میرے ساتھ آؤ۔''

انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا... مجھے گھر میں لے آئے... اندر اپنے کمرے میں بٹھایا اور بہت دکھ بھرے... درد بھرے لہجے میں کہنے لگے:

''دیکھو حسن! اس معاملے میں ہم سب بے بس ہیں... میں نے ساری زندگی اپنے والد صاحب کے سامنے چوں نہیں کی... سارے گھر کا یہی حال ہے... اب جب کہ وہ عنبر کے بارے میں فیصلہ کر چکے ہیں... ہم ان سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے... ہم مجبور ہیں حسن... معاملہ اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور تمہارے حق میں فیصلہ کرتا... لیکن اب حسن... تم جو یہ کر رہے ہو یہ... یہ تو ٹھیک نہیں... اس طرح تو ہماری بدنامی ہوسکتی ہے... آس پاس کے لوگ تمہیں اس طرح مسلسل کھڑے دیکھیں گے تو کیا خیال کریں گے... وہ سوچیں گے... پہلے یہ نوجوان یہاں ٹھہرا ہوا تھا... اب یہاں نہیں رہتا... لیکن روزانہ یہاں آکر کھڑا ہو جاتا ہے... سوچو حسن... سوچو... خدا کے لیے ایسا نہ کرو... تم مجھے بہت عزیز ہو... بالکل اپنی بچی کی طرح عزیز... لیکن میں والد صاحب سے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہہ سکتا...''

''ٹھیک ہے انکل... آج کے بعد میں آپ کو...''

عین اس لمحے... کمرے کا دروازہ کھلا اور عنبر اندر داخل ہوئی... میرے الفاظ درمیان میں رہ گئے... ادھر عنبر زور سے چونکی... اس کے منہ سے نکلا:

''اوہ... آپ!''

• ● •

پانچواں باب

''آؤ عنبر... یہ مجھے باہر مل گئے تھے... میں لے آیا...''

''میں آپ سے پھر بات کرلوں گی پاپا۔'' عنبر نے کہا اور کمرے سے نکل گئی... بہار کا جھونکا جس تیزی سے آیا تھا، اسی تیزی سے چلا گیا۔ میرے دل سے ایک آہ نکل گئی... لیکن اس آہ کو میں نے انکل میجر سے چھپالیا...

''حسن بیٹے... تم جو کر رہے ہو، اس کا کوئی فائدہ نہیں... خود کو سنبھالو... ماں باپ کا خیال کرو... تم ان کا سب کچھ ہو... انہیں دکھ نہ دو... وہ جہاں تمہاری شادی کرتے ہیں، کرلو... اسی کا نام زندگی ہے۔''

''انکل!... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں... آج کے بعد آپ کو ادھر نظر نہیں آؤں گا... اب میں چلتا ہوں۔''

''ایسے نہیں... آج یہاں سے یہ وعدہ کر کے جا رہے ہو کہ پھر ادھر نہیں آؤ گے... تو کم از کم چائے تو پی کر جاؤ... '' یہ کہتے ہوئے انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ جلد ہی عباس میاں اندر داخل ہوا۔ وہ مجھے دیکھ کر چونکا:

''حسن میاں آپ... کیسے ہیں۔''

''بس ٹھیک ہوں۔''

''عباس میاں! چائے لے آؤ... ہم آج اس وقت اپنے بیٹے کے ساتھ چائے پییں گے۔''

''جی اچھا صاحب جی۔''

جلد ہی چائے آگئی... اس دوران زیادہ تر خاموشی رہی... چائے بھی خاموشی سے پی گئی ...یوں محسوس ہو رہا تھا کہ دونوں طرف کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے... پھر میں اٹھ کر کھڑا

ہوا... میجر صاحب نے مجھے سینے سے لگا لیا... اور بیرونی دروازے تک لے آئے... میں نے ان سے ہاتھ ملایا۔ تو بے تحاشہ آنکھوں میں آنسو امڈ آئے... میں ان کو روک نہ سکا... میجر صاحب نے میرے کندھے پر تھپکی دی... اور میں نے قدم آگے بڑھا دیے... دس پندرہ قدم آگے جا کر میں نے مڑ کر دیکھا، میجر صاحب بدستور وہیں کھڑے تھے... میرا جی چاہا دوڑ کر جاؤں... ان کے قدموں میں گر جاؤ.. ان سے کہوں... وہ مجھ سے میری زندگی نہ چھینیں... لیکن میں ایسا کر نہ سکا اور پھر تیر تیز قدم اٹھانے لگا...

انکل عدنان منیر کے گھر میں داخل ہوا تو شبنم کی شوخ آواز نے میرے قدم روک لیے:

''کہاں سے آرہے ہیں میاں مجنوں۔''

''بس ایسے ہی گھومنے نکل گیا تھا۔''

''آپ کے پاپا کا فون آیا تھا... آپ اپنا موبائل بھی اپنے کمرے میں چھوڑ گئے تھے۔''

''اوہ اچھا! میں انہیں فون کرتا ہوں۔''

پھر میں نے اپنے کمرے میں آ کر ابا جان کو فون کیا، فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی:

''حسن کیسے ہو تم... تمہارے انکل میجر صادق کا فون آیا تھا۔''

''اوہ اچھا... ابا جان... میں سمجھ گیا۔''

''دیکھو بیٹے... وہ میرے بچپن کے دوست ہیں... بہت ہی عزیز دوست... کوشش کرنا کہ انہیں رنج کا شائبہ بھی تمہاری طرف سے محسوس نہ ہو... ان اطراف میں کسی کام سے جانا ہو... تب بھی نہ جاؤ... کہیں ان پر تمہاری نظر پڑ گئی تو کیا خیال کریں گے وہ... یہی نا کہ تم انہیں بدنام کر رہے ہو۔''

''نہیں ابا جان! وہ کبھی ایسا خیال نہیں کریں گے... میں ان کی دنیا سے نکل آیا ہوں اور اب کبھی اس طرف کا رخ نہیں کروں گا۔''

''حسن... تم بہت اچھے ہو... میری مانو... کیا رکھا ہے ملازمت میں... میرا کاروبار اب تم سنبھالو... اس سب کے مالک آخر تم ہو... پھر کیا کرو گے ملازمت کر کے...''

''ملازمت تو میں تجربات حاصل کرنے کے لیے کر رہا ہوں ابا جان... جب تک دوسروں کی ملازمت نہ کی جائے... اپنے کاروبار کو سنبھالنے کا گر نہیں آتا۔''

''تمہاری یہ بات سو فیصد درست ہے، اسی لیے میں نے تمہیں اجازت بھی دی ہے... اب

میری ایک تجویز ہے... ڈاکٹر عدنان منیر کی بچیاں اچھی ہیں... اگر تم کہو تو میں تمہارے لیے عدنان سے بات کروں... کیا خیال ہے...؟"

"ابھی نہیں ابا جان... ابھی تو میں اس گھر میں بالکل نیا ہوں۔"

"اچھا خیر... تم بس خوش رہو... تمہاری امی تمہارے لیے بہت پریشان رہتی ہیں... کئی بار کہہ چکی ہیں... اب ہمیں حسن کے پاس رہنا چاہیے... وہاں کوئی گھر خرید لیتے ہیں... لیکن میرا مسئلہ اپنے کاروبار کا ہے... وہ ادھر ہی سیٹ ہے..."

"آپ پریشان نہ ہوں... امّی جان کو بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... میں ایک دو سال لگاؤں گا... پھر یہیں آ جاؤں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

اور انہوں نے فون بند کر دیا... اور پھر میرے دوست میری زندگی میں ایک ہولناک ترین لمحہ آیا... ابو امّی کار کے حادثے میں چل بسے۔"

"کیا!!!" یوسف سلیم چلّا اٹھا۔

"ہاں یوسف... میری دنیا اور اندھیر ہوگئی... حالت پاگلوں جیسی ہوگئی... جنازے میں میجر صاحب نے بھی شرکت کی... عدنان منیر صاحب بھی گئے تھے... اب میں ملازمت کر کے کیا کرتا... ملازمت چھوڑ دی... اپنے کاروبار کو دیکھنے لگا... ان کا چاولوں کا کارخانہ تھا... اور مجھے اس کام کا کوئی تجربہ نہیں تھا... پھر میں اب تک عنبر کے خیال سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا... آہستہ آہستہ میری ناتجربہ کاری آڑے آتی گئی... اور کاروبار میں نقصان ہوتا چلا گیا... یہاں تک کہ ایک دن سب ختم ہو گیا... ان حالات میں اپنا شہر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگا... میں اپنے شہر سے پھر اس شہر میں چلا آیا... انکل عدنان منیر سے ملا، انہوں نے اپنے گھر کا دروازہ میرے لیے فوراً کھول دیا۔ مجھے سینے سے لگا لیا... میں نے انہیں اپنی تباہی کی تفصیل سنا دی... وہ فکرمند ہو گئے، کہنے لگے:

"ان حالات میں تمہارا دوبارہ ملازمت کرنا بہتر رہے گا... اور اس سلسلے میں تمہاری مدد میجر صادق صاحب کر سکتے ہیں... میں تو تم جانتے ہو... ایک ڈاکٹر ہوں... اور تمہیں صرف ہسپتال میں ملازمت دلوانے کی کوشش کر سکتا ہوں... جب کہ میجر صاحب اس سلسلے میں بہتر کوشش کر سکتے ہیں... میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اپنے پہلے والے محکمے میں ہی واپس چلے جاؤ۔"

"اس سلسلے میں بھی انکل صادق ہی کام آ سکتے ہیں... لیکن میں وہاں جا نہیں سکتا... ان سے وعدہ کر چکا ہوں۔"

"اچھی بات ہے... میں ان سے ملاقات کروں گا۔"

پھر انکل عدنان نے انکل صادق سے ملاقات کی... وہاں سے آ کر انہوں نے بتایا... انکل صادق میرے لیے بہت فکرمند ہیں... اور وہ دوبارہ ملازمت دلوانے کے لیے سرگرم ہو گئے ہیں... امید ہے... جلد ہی کامیاب ہو جائیں گے... ادھر بڑے کرنل صاحب ان دنوں شدید بیمار ہیں... چند دن پہلے انہیں دل کا دورہ پڑا تھا... اور اب دوسری بار ہوا ہے، ڈاکٹر صاحبان نے ان کی حالت تشویشناک بتائی ہے..."

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا۔

پندرہ دن بعد مجھے پھر سے ملازمت مل گئی... میں نے فون پر انکل صادق کا شکریہ ادا کیا تو وہ بہت پریشان تھے... بس اتنا کہہ کر فون بند کر دیا:

"ابا جان کی طبیعت بہت خراب ہے حسن... میں پھر بات کروں گا۔"

میں نے یہ بات انکل عدنان کو بتائی۔ وہ اسی وقت ان کا حال پوچھنے چلے گئے۔ وہ اگرچہ پہلے دوست نہیں تھے... لیکن جب سے میں نے انہیں وہاں بھیجا تھا... وہ دونوں ایک دوسرے سے علیک سلیک کرنے لگے تھے... واپس آ کر انہوں نے بتایا، ان کی حالت نازک ہے، دوسری صبح میجر صاحب کا فون آیا... وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے:

"ابا جان انتقال کر گئے۔"

فون میں نے ہی سنا تھا... میرے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا... فوراً یہ اطلاع انکل عدنان کو دی... ہم ان کے جنازے میں گئے... میجر صاحب نے مجھے دیکھا تو بے اختیار مجھے سینے سے لگا لیا... وہ حد درجے دکھی لگ رہے تھے... اس دن میں نے جانا... انہیں اپنے والد سے کس قدر محبت تھی...

چند دن بعد ان کا فون آیا... کہہ رہے تھے:

"بیٹا حسن... تم ذرا دیر کے لیے ادھر آ جاؤ..."

"جی... میں... یا انکل عدنان۔"

"نہیں... تم۔"

میرا دل دھڑک اٹھا... ایک دن انہوں نے کہا تھا... تم ادھر نہ آیا کرو حسن... اس میں ہماری بد

نا ی کا اندیشہ ہے... آج وہ خود مجھے بلا رہے تھے... ادھر کرنل صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے... ان حالات میں ان کا مجھے بلانا... بہت حیرت انگیز اور خوش گوار سا لگا... میرا جی چاہا... میں اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں... میں نے یہ بات انکل عدنان میئر کو بتائی تو انہیں بہت حیرت ہوئی... ان کی پیشانی پر شکنیں بھی ابھریں... ان شکنوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا... پھر انہوں نے کہا:

''جلدی جاؤ بیٹا... ہوسکتا ہے... انہیں کسی سلسلے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہو۔''

''جی اچھا۔''

میں نے انکل صادق کے دروازے پر پہنچ کر چاروں طرف ایک نظر ڈالی... یوں لگا جیسے سب کچھ بدل گیا ہو... گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے میرا دل دھک دھک کر رہا تھا... آخر دروازے کھلا اور عباس میاں کا مہربان چہرہ نظر آیا... وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے... ان کی مسکراہٹ میں میرے لیے ہمدردی تھی... وہ شفقت بھرے لہجے میں بولے:

''آیئے حسن میاں... آیئے... میجر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

میں اس کے ساتھ چل پڑا... وہ مجھے میجر صاحب کے کمرے میں لے آیا... وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھے اور حسن بیٹے کہتے ہوئے مجھے گلے سے لگالیا اور پھر رونے لگے...

اب تو مارے حیرت کے میرا برُا حال ہوگیا:

''انکل... انکل... کیا ہوا... خیر تو ہے۔'' میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بیٹھ جائیں حسن... میرے بچے بیٹھ جائیں... آج میں دل کا غبار نکال دینا چاہتا ہوں۔''

''میں... میں سمجھا نہیں انکل... ''

''وہی بتانے جا رہا ہوں... جب تم یہاں آئے تھے... میرا مطلب ہے... پہلی بار، تم مجھے اور میری بیگم کو بہت ہی اچھے لگے تھے... بھولے بھالے... شریف صورت اور دل موہ لینے والے نقوش... پھر عادات کے لحاظ سے بالکل سادہ سے... سیدھے سے... سچی بات یہی ہے کہ بہت بھائے تھے تم... لیکن دوسری طرف... والد محترم کسی وجہ سے اچانک تمہیں ناپسند کرنے لگے... انہوں نے اس بات کا ذکر ہم سے کیا... ہم نے آج تک ان کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا تھا... ایک لفظ بھی نہیں بولا... ہم تو ان سے یہ پوچھ بھی نہ سکے کہ آخر آپ یکا یک کیوں حسن کو ناپسند کرنے لگے... اب جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے... تو مجھے تمہارا بار بار خیال

آنے لگا... یہاں تک میں تمہیں فون کرنے پر مجبور ہوگیا... ادھر تمہارے بھی والدین پس ہے... اور الطاف میرے بہت اچھے دوست تھے... تمہارے حالات نے بھی کچھ دل پر اثر ڈالا... سو تمہیں بلالیا... تم نے برا تو نہیں مانا ہوگا... ''

''کیا بات کرتے ہیں انکل... مجھے تو آج اس قدر خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔''

اسی وقت عباس میاں اندر داخل ہوا... ان کے ہاتھوں میں پھلوں کی ٹرے تھی... وہ ٹرے رکھ کر چلے گئے...

''میں بھی تمہیں اتنی مدت بعد دیکھ کر خوشی محسوس کر رہا ہوں... اب پہلی والی بات تو رہی نہیں، لہٰذا تم کبھی کبھی آجایا کرو... ویسے تو میں یہ بھی کہنا پسند کروں گا کہ یہ ایک بار پھر تمہارا اپنا گھر ہے... اگر پسند کرو تو پھر سے یہاں آسکتے ہو... اور میری خواہش ہے... اب تم اپنا دفتر کا کام پوری توجہ سے کرو... تمہارے آفیسرز کو شکایت کا موقع نہ ملے... ''

''ٹھیک ہے انکل... میں پوری کوشش کروں گا... باقی رہا یہاں آکر رہنے کا معاملہ... تو میرے خیال میں عنبر الجھن محسوس کرے گی... ''

''نہیں... عنبر کو الجھن اپنے دادا جان کی وجہ سے محسوس ہوتی تھی... یعنی چونکہ دادا جان نے اسے ٹوک دیا تھا... لہٰذا الجھ گئی تھی... عنبر بہت اچھی ہے... ماں باپ کا ہر فیصلہ اسے قبول ہوتا ہے... ''

پھر بھی انکل... بہتر یہی رہے گا... کہ میں ڈاکٹر انکل کے گھر ہی میں رہوں... اب جب کہ آپ کی طرف سے اجازت ہوگئی ہے... میں کبھی کبھار آجایا کروں گا۔''

''تمہاری بات سن کر خوشی ہوئی حسن۔''

ایسے میں دروازہ کھلا اور عنبر اندر داخل ہوئی... ساتھ ہی اس نے چونک کر کہا:

''اوہ! آپ ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائی بھی... جب کہ پہلے اس نے میری موجودگی میں مسکرانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔

''ہاں عنبر آؤ... ''

عنبر میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی... وہ پہلے سے بڑھ کر بج رہی تھی... میں نے بس ایک نظر اس پر ڈالی۔ انکل میجر نے اس کے طے شدہ رشتے کے بارے میں اس پوری گفتگو میں کوئی بات نہیں کی تھی... اور یہی میری سب سے بڑی الجھن تھی... تاہم میں ایک انجانی سے خوشی محسوس کر رہا

تھا... خود کو آسمان کی بے پناہ وسعتوں میں تیرتا محسوس کر رہا تھا... کہ ایک بار پھر اس کے پاس بیٹھنا نصیب ہو گیا تھا... اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر سے مجھے کیوں نکلنا پڑا تھا... یہ احساس میرے لیے حد درجے طمانیت کا سبب تھا کہ اس گھر کے دروازے ایک بار پھر میرے لیے کھل گئے تھے... میں جھومتا نہ تو کیا کرتا... رہ رہ کر ایک پر ہول خیال ستا بھی رہا تھا... یہ کہ انکل میجر نے عنبر کے رشتے کے بارے میں کیوں کچھ نہیں کہا... کرنل صاحب کی وفات کے ساتھ ہی کیا وہ رشتہ ختم ہو گیا ہے... یا پھر قائم ہے... یہ جاننے کے لیے میں بُری طرح بے چین تھا... لیکن یہ بات میں کیسے معلوم کر سکتا تھا... مجھے دور دور تک کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی تھی... ایسے میں میں نے سنا، عنبر کہہ رہی تھی:

''کیسے ہیں آپ... مجھے زندگی بھر اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں چچا جان اور چچی جان کی وفات پر آپ سے تعزیت کے دو بول بھی نہ بول سکی... تاہم یہ قرض میں آج اتار رہی ہوں... اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔''

''آمین۔'' یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس وقت مجھے بے پناہ خوشی کا احساس ہوا جب عنبر کی آنکھوں میں بھی آنسو چمکتے نظر آئے... گویا وہ واقعی غمگین تھی... کچھ مدت پہلے جب میں اس گھر سے نکل گیا تھا... ان دنوں میں خود کو دنیا کا بدقسمت ترین انسان خیال کر رہا تھا... اور آج میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان خیال کر رہا تھا... اگرچہ یہ مجھے اب تک معلوم نہیں تھا کہ عنبر میری زندگی میں بہار بن کر آئے گی بھی یا نہیں... لیکن جتنا کچھ تھا... بہت خوب تھا... اور میں اپنے آپ میں نہیں سما رہا تھا... آخر میں نے ان سے اجازت لی تو انکل میجر نے پھر کہا:

''چکر لگاتے رہنا۔''

میں باہر نکلنے لگا تو ٹھٹک گیا... میرے اٹھتے قدم رک گئے۔

میں نے دیکھا، دروازے پر میجر صاحب کی والدہ کھڑی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ کرنل صاحب کی وفات نے شاید انہیں حد درجے کمزور کر دیا تھا... ورنہ پہلے ان کے ہاتھ میں عصا نہیں ہوتا تھا۔

''السلام علیکم بڑی ماں جی۔'' میں نے فوراً کہا۔

''وعلیکم السلام بیٹے... جیتے رہو، آپ کو اس گھر میں ایک بار پھر دیکھ کر خوشی ہوئی... اچھا کیا آپ

آ گئے... آپ کے والدین کی وفات کا ہمیں بھی رنج ہے... اور ادھر کرنل صاحب چل بسے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ رو دیں۔ آنسو ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے... میجر صادق بے قرار ہو کر ماں کی طرف بڑھے اور انہیں خود سے لپٹا لیا، پھر بستر تک لے آئے، انہیں تکیے کے سہارے بستر پر بٹھایا اور بولے:

''ماں جی! اللہ کو یہی منظور تھا۔''

عین اس لمحے رابعہ خاتون بھی السلام علیکم کہتے ہوئے اندر آ گئیں...

''کیسے ہیں حسن؟''

''جی ٹھیک ہوں۔''

''مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا کہ آپ آئے ہیں... میجر صاحب نے اچھا کیا، آپ کو فون کر کے بلا لیا... آپ کا یہاں قیام بہت مختصر سا تھا... لیکن اتنے کم عرصے میں بھی ہم لوگ آپ میں اپنائیت محسوس کرنے لگے تھے...''

''میرے محسوسات بھی یہی تھے اور ہیں...''

''آپ کھڑے کیوں ہیں... بیٹھیں نا۔'' رابعہ خاتون خفیف سا مسکرائیں۔

''جی میں تو بس اب چلنے والا تھا کہ بڑی اماں آ گئیں... اور اب آپ...'' میں بھی جواب میں مسکرایا۔

''کوئی بات نہیں چند منٹ اور بیٹھ جائیں۔''

میں نے گھبرا کر میجر صاحب اور پھر عنبر کی طرف دیکھا... دونوں مسکرا دیے... میجر صاحب بولے:

''بیٹھ جائیں... کوئی حرج نہیں۔''

میں بیٹھ گیا... اب سوچ رہا تھا کہ کیا بات کروں... ایسے میں رابعہ خاتون بولیں:

''دراصل حسن! ہم سب کی خواہش ہے... آپ اب یہیں رہیں، چچا جان کے بعد ہم سب خود کو بہت تنہا تنہا محسوس کرنے لگے ہیں... یوں لگتا ہے، اس گھر کی ساری رونقیں ان کے دم قدم سے تھیں... اب یہاں اداسی کا راج ہے... آپ آ جائیں گے تو ہم گھر میں پھر سے ایک تبدیلی محسوس کریں گے۔''

اس لمحے میں نے شدید خوشی محسوس کی... تاہم یہ الجھن بھی تھی کہ انکل عدنان منیر اور ان کے گھر والوں سے کیا کہوں گا... کیا وہ اس بات کو محسوس نہیں کریں گے... ادھر وہ سب جواب طلب نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے... آخر میں نے کہا:

''ٹھیک ہے... لیکن پہلے مجھے انکل عدنان منیر صاحب سے بات کرنا ہوگی۔''

''ہاں کیوں نہیں... میرے خیال میں تو وہ اعتراض نہیں کریں گے۔''

یہ ان کا خیال تھا، لیکن میرا خیال تھا... انہیں یہ بات بہت زیادہ محسوس ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ منہ سے کچھ نہ کہیں... یہ صورت حال میرے لیے پیچیدہ تھی... آخر میں نے ان سب پر ایک نظر ڈالی اور بولا:

''اب میں اجازت چاہوں گا... اور وہاں جا کر فون کروں گا۔''

''اچھی بات ہے... عنبر! آپ انہیں دروازے تک چھوڑ کر آئیں۔''

''جی اچھا ابو۔''

میرا دل دھڑک اٹھا... دنیا بدلی بدلی لگ رہی تھی اور میں یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ شاید کرنل صاحب کی وفات کے ساتھ ہی ان کا طے کردہ رشتہ ختم ہو چکا ہے... اسی لیے یہ لوگ مجھ پر اس قدر مہربان ہو رہے ہیں...

اب ہم دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے... میرا جی چاہ رہا تھا... ہم تمام عمر یونہی چلتے رہیں اور کوٹھی کا گیٹ کبھی نہ آئے... میں نہیں جانتا، اس وقت عنبر کی کیا کیفیت تھی... وہ کیا سوچ رہی تھی... کچھ سوچ بھی رہی تھی یا نہیں... ایسے میں میرے منہ سے نکل گیا:

''آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟''

''کک... کیا مطلب... میں سمجھی نہیں... آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

''میرا اس طرح پھر سے واپس آنا... آپ کو ناگوار تو نہیں گزرا؟''

''بالکل نہیں... مجھے تو اچھا لگ رہا ہے۔''

''اور جب میں چلا گیا تھا...''

''اس وقت بھی اچھا لگا تھا۔'' عنبر ہنس دی۔

''کیا مطلب؟''

''میں ہمیشہ بڑوں کے فیصلوں میں خوش رہتی ہوں... بڑوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب آپ کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں... بلکہ سب بڑوں نے نہیں... دادا جان مرحوم نے، ہم سبھی نے ان کے فیصلے کو پسند کیا تھا... لہٰذا آپ کا جانا گوار نہیں گزرا تھا... بلکہ خوشی محسوس کی تھی میں نے تو... اب جب کہ دادا

جان دنیا میں نہیں ہیں... ابو گھر میں سب سے بڑے ہیں... پھر یہ کہ ہیں بھی میرے ابو... تو مجھے ان کا ہر فیصلہ پسند ہے... اس طرح آپ کا یہاں رہنا بھی پسند ہے۔''

''اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ آپ کی اپنی کوئی مرضی نہیں... آپ کی اپنی کوئی پسند نہیں... آپ کے اپنے کوئی احساسات نہیں... کوئی جذبات نہیں۔''

''ہاں! آپ یہی کہہ لیں... بلکہ یہی بات ہے۔'' اس کے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی امڈ آئی۔

''آپ... آپ بہت عجیب ہیں... میں نے آپ جیسی عجیب لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔'' میں نے قدرے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

''ضرور ایسی بات ہوگی... لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا... میں پھر بھی ایسی ہی رہوں گی۔'' اس مرتبہ وہ قدرے مسکرائی بھی... ساتھ میں چونک کر بولی:

''ہم دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔''

''اوہ! پتا ہی نہیں چلا...'' میں چونکا۔

''چلیے! اب تو پتا چل گیا...''

''بہت جلدی دروازہ آگیا...'' میں بڑبڑایا۔

اس لمحے میرا جی چاہا... میں اس سے پوچھ لوں... آپ کے رشتے کا کیا بنا... لیکن پوچھ نہ سکا... میں نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا... جواب میں اس نے بھی اسی طرح ہاتھ ہلایا اور پھر میں باہر نکل گیا...

اسی شام میں نے انکل عدنان منیر کو اپنا نیا فیصلہ سنایا تو وہ سب دھک سے رہ گئے... کتنے ہی لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے... یوں لگتا تھا جیسے وہاں کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے... تاہم کچھ دیر بعد انکل عدنان منیر کی آواز سنائی دینے لگی... وہ کہہ رہے تھے:

''یہ بہت عجیب بات ہے... پہلے وہ لوگ خود ہی آپ کو اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار نہیں تھے... اب وہ خود تمہیں بلا رہے ہیں... شاید عنبر کا پہلا رشتہ ٹوٹ گیا ہے، لڑکے والوں نے کسی وجہ سے انکار کر دیا ہے... اس لیے وہ تمہاری طرف متوجہ ہو گئے ہیں... کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے... اس بات کا بھی امکان ہے کہ کرنل صاحب کی وفات نے ان میں تنہائی کا احساس پیدا ہو گیا ہو اور وہ اپنی تنہائیوں کی شدت تمہارے ذریعے کم کرنا چاہتے ہوں... بات تو کوئی ضرور ہے... خیر... اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں کچھ نہیں کہوں گا... تم شوق سے وہاں رہو... لیکن آتے جاتے ضرور رہنا... ہم بھی تو تم سے مانوس ہو گئے

ہیں..."

"یہ کہنے کی تو خیر آپ کو ضرورت نہیں... میں یہاں آنا جانا کیوں چھوڑنے لگا بھلا..."

میں نے دیکھا... میری بات سننے کے بعد بھی ان کی تینوں بیٹیاں چپ چپ ہی رہیں... یوں لگتا تھا جیسے بولنا بھول گئی ہوں... لیکن ان کی خاموشی بھی زبان بن چکی تھی... کچھ نہ کہتے ہوئے بھی وہ بہت کچھ کہہ رہی تھیں... ان کے ہونٹ ساکن تھے... لیکن آنکھوں کے راستے نکلنے والے خاموش الفاظ مجھ سے بہت کچھ کہہ رہے تھے... لیکن میں کرتا کیا... میرے پورے وجود پر... میرے تمام تر احساسات پر تو عنبر پوری طرح چھائی ہوئی تھی...

آخر میں نے ان سے اجازت چاہی... اس وقت ان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے... مجھے یہ سب کچھ نظر آ رہا تھا، لیکن میں پھر بھی وہاں سے چل دیا... اس وقت میں اپنے اندر لڈو پھوٹتے محسوس کر رہا تھا... ان تینوں کے احساسات میرے نزدیک دیوانے کا خواب تھے... دیوانے کے خوابوں کو کون اہمیت دیتا ہے...

میں نے کوٹھی کے سامنے پہنچ کر دروازے کی گھنٹی بجائی... اور پھر دروازہ کھلا... میں حیرت زدہ رہ گیا... دروازہ خود عنبر نے کھولا تھا... مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی، پھر اس کے لب وا ہوئے:

"آج عباس میاں اپنے گاؤں گئے ہیں۔"

"معاف کرنا عنبر! آپ کو زحمت ہوئی۔"

"زحمت کیسی... تشریف لائیے... اس نے دائیں ہاتھ کو استقبال کے انداز میں حرکت دی... میں جھوم اٹھا... اور قدم اندر رکھ دیا۔

"آئیے... آج آپ کو ایک بار پھر آپ کے کمرے تک پہنچا آؤں۔" وہ بول اٹھی۔

"لیکن! اب مجھے راستہ معلوم ہے۔"

"مطلب یہ کہ آپ نہیں چاہتے... میں آپ کے کمرے تک ساتھ چلوں۔"

"بھلا میں اور نہیں چاہوں گا... کیا بات کرتی ہیں۔"

"تب پھر چلیے۔"

وہ میرے ساتھ میرے کمرے تک چلی آئی... اور کمرے کی چیزوں کو ترتیب سے رکھنے لگی... یوں لگتا تھا جیسے کرنل صاحب کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے ساتھ ہی... اس کا تمام تر

خوف رخصت ہو گیا تھا... یہ سب میرے لیے انتہائی تعجب خیز تھا... مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا... بار بار خیال آ رہا تھا کہ ضرور میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ ایک بار تو میں نے اس خیال سے تنگ آ کر اپنی انگلی کاٹ ڈالی... "سی" کی آواز منہ سے نکلی تو عنبر چونک کر میری طرف مڑی:

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں... مجھے بار بار خیال آ رہا تھا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں... اس خیال سے نجات حاصل کرنے کے لیے میں نے اپنی انگلی کاٹ لی۔"

"اُف! آپ بھی کیا ہیں... آپ کوئی خواب نہیں دیکھ رہے... یہ سب حقیقت ہے۔ آپ اس گھرانے کے لیے پہلے بھی اہم تھے اور اب بھی... درمیان میں دادا جان کی وجہ سے معاملہ الجھ گیا تھا... دراصل سچی بات یہ ہے کہ وہ اچانک آپ کو ناپسند کرنے لگے تھے... اس پر ہم سب بہت پریشان ہوئے تھے، لیکن ان کے سامنے اس گھر میں کوئی دم نہیں مار سکتا تھا..."

میرا جی چاہا... اس سے پوچھ لوں:

"اور ان کے طے کردہ رشتے کا کیا بنا؟"

لیکن میں پوچھ نہ سکا... اب گویا پوچھنے کی ضرورت بھی تو نہیں رہ گئی تھی... وہ رشتہ اگر باقی ہوتا تو یہ حضرات مجھے کیوں بلاتے... کیوں مجھے لفٹ کراتے... کیوں میرے لیے بچھے جاتے... جب کہ اس سے پہلے انہوں نے مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا تھا... میں اس سے کچھ بھی نہ پوچھ سکا...

اور پھر اس گھر میں میری نئی زندگی شروع ہوئی... یہ زندگی ہر لحاظ سے خوش گوار تھی... ایک دن میجر صاحب کہنے لگے:

"عنبر کو بازار جانا ہے... اس کی سالگرہ نزدیک ہے... کچھ سامان خریدنا ہے... اور میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں... سر میں شدید درد ہے... آج تم عنبر کے ساتھ چلے جاؤ... یہ آج تک گھر سے کہیں بھی تنہا نہیں گئی... اور یہ اس کی بہت اچھی عادت ہے... تم گاڑی تو اچھی طرح ڈرائیو کر لیتے ہو نا حسن؟"

"جی بالکل... دوسروں کا میرے بارے میں یہ خیال ہے کہ میں ایک بہت اچھا ڈرائیور ہوں۔"

"اور خود آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" عنبر کی آواز سنائی دی... وہ اسی وقت کمرے

میں داخل ہوئی تھی اور گویا باہر جانے کے لیے بالکل تیار ہو کر آئی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جا رہا عنبر... آج حسن تمہارا ساتھ دیں گے۔''

''ٹھیک ہے ابو۔'' وہ مسکرا دی... پھر میری طرف مڑی۔

''چلیں۔''

''جی... چلیں۔''

ہم دونوں کمرے سے نکل کر گیراج کی طرف آئے... میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ وہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''کہاں چلنا ہے۔''

''مال روڈ... ایک دو ساڑیاں خریدوں گی اور کچھ جیولری بھی۔''

ہم مال پر آ گئے۔ گاڑی پارک کی اور ایک بڑے شاپنگ پلازہ میں چلے آئے... وہ یقیناً یہاں پہلے بھی آتی رہی تھی... اس نے نہایت مہارت سے خریداری کی... ساڑیاں پسند کرتے ہوئے مجھ سے بھی پوچھا:

''آپ کے خیال میں یہ ساڑھی کیسی رہے گی... خوب پھبے گی نا مجھ پر۔''

''بہت خوب صورت ہے۔'' میں بول پڑا۔

''میری بات رکھنے کے لیے نہ کہیں... آپ کا جو خیال ہے، وہ بتائیں۔''

''واقعی بہت خوب صورت ہے۔''

اس نے اس ساڑھی کو پیک کرنے کے لیے کہہ دیا... پھر بولی:

''اب میں نہیں بولوں گی... آپ ایک ساڑھی پسند کریں۔''

''مم... میں ... مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں ... ہمارے گھرانے میں کوئی ساڑھی نہیں باندھتا۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا... آپ بس ساڑھی پسند کریں۔''

''میرے خیال میں تو آپ خود پسند کریں... میں رائے دے دوں گا۔''

''رائے تو آپ وہی دیں گے... یعنی بہت خوب صورت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائی، اس کے سفید دانتوں کی چمک میرا دل چیر گئی۔

''آپ کی پسند میری پسند... یہ بات واقعی درست ہے... میں چاہوں بھی تو آپ کی پسند کے خلاف رائے نہیں دے سکتا۔''

''وہ کیوں؟'' اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

''میں نے کہا نا... جو آپ کو پسند... وہی مجھے پسند۔''

''پکی بات؟'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''سو فیصد پکی۔''

''او کے...''

اور پھر اس نے ایک ساڑھی اور پسند کی... میں نے فوراً ہی کہ دیا:

''آپ کی پسند واقعی لاجواب ہے۔''

وہ قدرے شرما گئی اور پھر بولی:

''اس میں شک نہیں۔''

''جی... کس میں شک نہیں۔''

''میری پسند واقعی لاجواب ہے... گھر کے سبھی افراد یہ کہتے ہیں، آج آپ نے بھی کہہ دیا گویا تصدیق ہو گئی...''

''کیا میں بھی یہاں سے کچھ پسند کر لوں۔''

''کس لیے؟'' اس نے چونک کر کہا۔

''آپ کو سالگرہ کا تحفہ بھی تو دینا ہوگا۔''

''ارے نہیں... ہمارے ہاں سالگرہ پر کوئی تحفہ لے کر نہیں آتا... ابو نے سختی سے منع کر رکھا ہے۔''

''یہ کس لیے؟'' میں حیران رہ گیا۔

''تاکہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ہم یہ تقریب تحائف جمع کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ عام طور پر سالگرہ کی تقاریب میں یہی ہوتا ہے۔''

''ہوں... واقعی... ہے تو یہی بات۔''

''لہٰذا آپ بھی کچھ نہیں خریدیں گے... اگر کچھ دیے بغیر نہیں رہ سکتے تو گلاب کے چند پھول دے دیجیے گا...''

''اچھی بات ہے... میں یہی کروں گا... کیونکہ آپ کی پسند میری پسند۔''

وہ مسکرادی... پھر ہم نے گھر کا رخ کیا... سالگرہ کی تقریب واقعی سادگی سے منائی گئی... اس روز میں نے خاص طور پر محسوس کیا... وہ کچھ بے چین سی تھی... شاید اسے کسی کا انتظار تھا... کیونکہ نظریں بار بار صدر دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں... مہمان آتے رہے... میں اور میجر صاحب ا ن کا استقبال کرتے رہے... لیکن عنبر کا انتظار ختم نہ ہوا... آخر مجھ سے رہا نہ گیا... میں اس کے نزدیک چلا گیا اور دبی آواز میں پوچھا:

''شاید آپ کو کسی کا شدت سے انتظار ہے؟''

وہ شرما سی گئی... اس کا اس انداز میں شرمانا میرے اندر ہل چل مچا گیا... میرے وجود کے اندر سوال گونجا:

''وہ کون ہے... جس کا عنبر کو انتظار ہے۔''

سالگرہ کی پوری تقریب کے دوران اس کی نظریں بیرونی دروازے کی طرف ہی اٹھتی رہیں... اور میرا سکون لٹتا رہا... میں خاموش تماشائی بنا رہا... اس ادھیڑ بن میں... میں اسے گلاب کے پھول بھی نہ پیش کرسکا... سب اسے مبارک باد دے رہے تھے... وہ ان کی مبارک باد وصول کر رہی تھی... لیکن... میں تو جیسے وہاں تھا ہی نہیں... میں کہیں اور تھا... اور عنبر کو جس کا انتظار تھا... وہ نہ آیا... میں نے اس کی آنکھوں میں الجھن دیکھی... تقریب کے اختتام تک اس الجھن میں اضافہ ہوتا رہا... آخر مہمان رخصت ہونے لگے... اس کی امید دم توڑ گئی۔ وہ بجھے بجھے انداز میں مہمانوں کو رخصت کرتی نظر آئی... لیکن اس سے کہیں زیادہ پریشان میں تھا۔

اس دن سے پریشانیاں میرا مقدر بن گئیں... میں نے سوچا... اب میجر صاحب سے دوٹوک بات کرلی جائے... اب آخر انہیں کس بات کا انتظار ہے... وہ کیوں شادی طے نہیں کردیتے...

ایک صبح ناشتے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں چلے گئے... میں بھی ان کے پیچھے ہی اندر داخل ہوگیا... مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرائے، پھر گویا ہوئے:

''آئیے حسن! میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا... میرا خیال ہے... اب تمہاری شادی کرادی جائے...''

میرا دل زور سے دھڑکا۔ وہ تو خود ہی اس موضوع پر آگئے جس پر میں انہیں لانا چاہتا تھا:

''جی... جی... انکل؟'' میں بمشکل بولا۔

''کس خیال میں ہو... کیا کہا ہے میں نے۔''

''جی... وہ میں... سن نہیں سکا۔'' میں نے بوکھلاہٹ کے عالم میں کہا۔

''حسن بیٹے! ہم چاہتے ہیں... اب تمہاری شادی کردیں... اس گھر میں ایک عدد بہو لے آئیں۔''

اس جملے کا پہلا حصہ میرے لیے خوشی کا فوارہ تھا تو دوسرا حصہ کسی بم سے کم نہیں تھا... بم جو میری سماعت گرا، میرے دل ودماغ پر گرا... میرا سانس سینے میں اتر گیا... میں نے محسوس کیا، میری جان اب نکلی کہ اب نکلی... یہ انہوں نے کیا کہہ دیا تھا... وہ میرے ذریعے اس گھر میں ایک بہو لانا چاہتے تھے... یہ بات کیا ہوئی بھلا... عنبر تو اس گھر میں موجود تھی... ان سب کو معلوم بھی تھا کہ میں عنبر کو پسند کرتا ہوں... میرے والد مرحوم میرے لیے اس کا رشتہ مانگ چکے تھے... مگر اس وقت تو کرنل صاحب زندہ تھے اور کرنل صاحب نے عنبر کا رشتہ کہیں طے کردیا تھا... لہٰذا صاف انکار ہوگیا تھا... لیکن اب انہوں نے کیا کہہ دیا...

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتا چلا گیا... میری آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں... میرا دماغ سائیں سائیں کررہا تھا... ان لمحات میں ایک بار پھر ان کی آواز پگھلے سیسے کی مانند میرے کانوں میں اترتی چلی گئی:

''اور ڈاکٹر عدنان منیر کی بڑی بیٹی تمہارے لیے ہم سب کو پسند ہے۔''

کئی پہاڑ بیک وقت مجھ پر گر پڑے... میں ان کے نیچے دبتا چلا گیا... میری دنیا اندھیر ہوگئی... میرے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا... میں ایک جھٹکے سے اٹھا اور اپنے کمرے میں جانے کے لیے مڑ گیا...

''ٹھیک ہے... ٹھیک ہے... صبح بات کریں گے...''

میں کمرے میں آگیا... کمرے کی دیواریں مجھے کاٹ کھانے کو دوڑنے لگیں... اب پوری بات یک لخت سمجھ میں آگئی تھی... عنبر کا رشتہ جوں کا توں موجود تھا... کرنل صاحب کی وفات کے بعد ان لوگوں کو تنہائیوں نے گھیر لیا تھا... انہوں نے سوچا... اگر میں اس گھر میں آجاؤں... اور یہ میری شادی کردیں تو اس گھر میں ہمیشہ کے لیے رونق کا انتظام ہوجائے گا... انہوں نے تو یہ یک طرفہ فیصلہ کرلیا

تھا... لیکن مجھے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی... اب پتا چلا تو سب کچھ درہم برہم ہو گیا تھا...

میں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا... میرا جی چاہا... اپنے بال نوچ لوں... سر دیوار سے بار بار ٹکرا دوں... کئی بار مکے دیواروں میں دے مارے... اور ہاتھوں سے خون رسنے لگا... اس حالت میں رات کا ایک بج گیا... کسی لمحے قرار نہیں آ رہا تھا... وحشت کے عالم میں جب کچھ نہ سوجھا... اور دم گھٹنے کا احساس بڑھتا چلا گیا تو گھبرا کر کمرے سے نکل آیا... ادھر ادھر ٹہلنے لگا... اس طرح بھی سکون نہ آیا تو گیٹ کھول کر باہر آ گیا... اور گیٹ کے سامنے ٹہلنے لگا... لیکن بے قراری تھی کہ بڑھتی چلی جا رہی تھی... میں گیٹ سے آگے چلا گیا... چلتا گیا... چلتا گیا... جوں جوں... میں اس گھر سے دور ہوتا جا رہا تھا... وحشت میں کمی آتی جا رہی تھی... چنانچہ میں واپس نہ پلٹ سکا... جیب میں کافی نقدی موجود تھی ایک بس میں یہ دیکھے بغیر سوار ہو گیا کہ وہ کہاں جا رہی ہے... اور میرے دوست وہ بس مجھے یہاں لے آئی... میں نے یہاں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا... اس میں رہنے لگا... اور ایک پرائیویٹ ادارے میں ملازمت کر لی... یہ سب تو ہوا... لیکن عنبر کے خیال سے میں پھر بھی پیچھا نہ چھڑا سکا... کبھی کبھی جی چاہتا... وہاں جاؤں... معلوم کروں... وہ سب لوگ کس حال میں ہیں... لیکن یہ بھی نہ کر سکا ...اب بھی میری وہی حالت ہے... بدحواسی طاری رہتی ہے... راتوں کو گھر سے نکل کر ٹہلنے لگتا ہوں... اور عنبر عنبر کہتا رہتا ہوں... مجھ میں اور ایک پاگل میں کوئی فرق نہیں... ہاں میرے دوست... میں ایک پاگل ہوں... پاگل...''

یہاں تک کہ کر وہ خاموش ہو گیا... یوسف کافی دیر تک سکتے کی حالت میں بیٹھا رہا... آخر بولا:

''پھر... کیا اب تمہیں معلوم ہے... عنبر کا کیا بنا... اس کی طے شدہ جگہ شادی ہو گئی یا نہیں۔''

''میں پلٹ کر ادھر گیا ہی نہیں... معلوم کیسے ہوتا... ظاہر ہے... میجر صاحب نے اس کی وہاں شادی کر دی ہو گی...'' حسن کی بھرائی ہوئی آواز یوسف سلیم کو تڑپا گئی۔

''دوست! ایک کہانی میری بھی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' حسن چونکا۔

چند لمحے تک حسن، یوسف سلیم کو گھورتا رہا، آخر اس نے کہا:

''تمہاری کہانی... گویا تم نے بھی... مگر نہیں... تم تو شادی شدہ ہو۔''

''میں شادی سے پہلے کی کہانی کی بات کر رہا ہوں... میں بھی کسی کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا...

اور میرا معاملہ یک طرفہ نہیں رہا تھا...''

''بھئی ذرا تفصیل سے۔''

''اس سے پہلے میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ تم میرے بچپن کے دوست ہو... مجھے بہت عزیز ہو... لہٰذا میں ہر طرح مدد کروں گا... اور ہو سکتا ہے...'' یوسف کہتے کہتے رک گیا۔

''اور ہو سکتا ہے کیا؟''

''میں اس جملے کو یہیں چھوڑتا ہوں... پہلے تمہیں اپنی کہانی سناتا ہوں... بابرا سے میرا رومان یونیورسٹی میں شروع ہوا... وہ بہت شوخ و شنگ تھی...

''نہیں... پہلے تم اپنا جملہ مکمل کرو۔'' حسن نے بے چین ہو کر کہا۔

''میں... فی الحال میں بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں منزل مقصود تک پہنچانے کی اپنی سی کوشش کر گزروں گا... لیکن اس سے پہلے تمہیں میری کہانی پوری توجہ سے سننا ہو گی... اب رات بھی زیادہ ہو گئی ہے... اگر نیند آ رہی ہے تو سو جاتے ہیں... میں اپنی کہانی صبح سنا دوں گا۔''

''نہیں... نیند تو مجھ سے کوسوں دور ہے... میں ویسے بھی بعض اوقات ساری رات جاگتا رہتا ہوں... دن نکلنے پر نیند آ جاتی ہے... کبھی وہ بھی نہیں آتی۔''

''اچھی بات ہے... میں تمہیں اپنی اور بابرا کی کہانی سناتا ہوں... میری کہانی میں خاص بات یہ ہے کہ اس نے خود مجھ سے راہ و رسم بڑھائی تھی... میں نے اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کیا تھا... بلکہ اس سے ملاقات سے پہلے تو میں رومان کی وادیوں سے کبھی گزرا بھی نہیں تھا... وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہے... میں یونیورسٹی کے لان میں تھا... ایک دور دراز گوشے میں بالکل تنہا بیٹھا اپنا مضمون تیار کر رہا تھا... کہ اس کے کھنکارنے کی آواز سنائی دی... میں نے نظریں اٹھائیں تو وہ بہت شوخ انداز میں مسکرا رہی تھی... اس کے دانت... دودھ کی طرح سفید دانت اس کی مسکراہٹ کو چار چاند لگا رہے تھے... اس نے جب کچھ بھی نہ کہا اور کتنے ہی لمحے گزر گئے، تب میں نے قدرے چونک کر کہا:

''فرمائیے... آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔''

''تو اور کس لیے آئی ہوں اتنا فاصلہ طے کر کے۔'' وہ ہنسی۔

''کتنا فاصلہ؟''

''یہی... اس پورے پارک کا... آخری کنارے پر بیٹھے ہیں آپ۔''

''اوہ سمجھا... خیر فرمائیے۔''

''میں آپ کو صرف ایک بات بتانے آئی ہوں... اگر آپ بُرا نہ مانیں۔''

''چلیے! آپ کہتی ہیں تو نہیں مانوں گا بُرا۔''

وہ ابھی تک کھڑی تھی...

''کیا آپ مجھے بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہیں گے۔''

''کک... کیا مطلب... کیا آپ یہی بات کہنے کے لیے آئی تھیں۔''

''ارے نہیں... وہ تو میں کہوں گی...''

''آپ دیکھ رہی ہیں... یہاں بس یہی بنچ ہے... اس کے سامنے کوئی دوسرا نہیں ہے... لہٰذا میں کس طرح آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ بیٹھیے... ہاں! یہ ہو سکتا ہے... آپ بیٹھ جائیں... میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔''

''حد ہو گئی... ارے صاحب! یہ یونیورسٹی ہے... ذرا ادھر ادھر نظر ڈالیے... ایک ہی بنچ پر لڑکے لڑکیاں اکٹھے بیٹھے نظر نہیں آ رہے کیا۔''

''آ تو رہے ہیں۔''

''بس تو پھر آپ بھی مجھ سے کہہ دیں... بیٹھیے۔''

''لیکن یونیورسٹی کے ساتھی لڑکے لڑکیاں کیا کہیں گے۔''

''حد ہو گئی... یہ یونیورسٹی ہے... یہاں کوئی کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ کسے فرصت ہے یہاں۔''

''اچھی بات ہے... آپ جائیں... تشریف رکھیے۔''

''ہاں! یہ ہوئی نا بات...'' اس نے خوشی سے جھوم کر کہا اور میرے ساتھ بیٹھ گئی... اس کے کپڑوں سے ایوننگ ان پیرس کی خوشبو اٹھ رہی تھی...

''خوشبو کے سلسلے میں آپ کی پسند خوب ہے۔''

''آپ نے میری پسند پوچھی؟'' اس کے انداز میں سوال تھا۔

''میں نے آپ کی پسند کی تعریف کی۔''

''مہربانی کر کے آپ میری پسند پوچھیے۔''

''اچھی بات ہے... بتائیے پھر اپنی پسند۔''

''آپ!''

''کیا مطلب؟''

''میری پسند ہیں آپ... یہی بتانے کے لیے آئی ہوں... جس دن سے آپ کو دیکھا ہے... بس آپ کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہوں... آپ کو دل دے بیٹھی ہوں... آپ کو یہ سن کر ضرور حیرت ہوئی ہوگی... شاید آپ کو اس بات سے کوئی خوشی محسوس نہ ہو رہی ہو... کیونکہ پسند اپنی اپنی... اور مجھ سے پہلے اگر آپ کسی کو پسند کر بیٹھے ہیں تو ظاہر ہے... میری بات آپ کے لیے قطعاً خوشی کی بات نہیں ہوگی... میں غلط تو نہیں کہہ رہی اور کیا اس بنچ سے نامراد لوٹوں گی۔''

اس کے شوخ و شنگ جملے سن کر مجھے ہنسی آ گئی... اس لیے وہ فوراً بولی:

''آپ کی ہنسی نے مجھے پچاس فیصد امید دلا دی ہے... مہربانی فرما کر بقیہ پچاس فیصد امید آپ پوری کر دیں...''

''درست بات یہی ہے کہ... میں آج تک اس قسم کے چکر میں نہیں پڑا... دراصل مجھے تو اپنی انجینئرنگ میں دلچسپی ہے اور بس... مجھ سے خاموش طبع میں آج تک کسی نے دلچسپی لی ہی نہیں... تو میں کیا کسی کی طرف متوجہ ہوتا... آپ پہلی بے وقوف لڑکی ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا... وہ نیلے آسمان کی طرح پرسکون تھیں... لیکن ان کی نیلاہٹ کے پیچھے سمندروں میں چھپے طوفان مچل رہے تھے۔ فوراً بولی:

''میں نے آپ کی بات کا بالکل بُرا نہیں مانا... آپ کی خاطر مجھے بے وقوف کہلانے میں کوئی اعتراض نہیں... بلکہ مجھے تو اس سے بھی خوشی کا بے پایاں احساس ہو رہا ہے... آپ نے مجھے کوئی تحفہ تو دیا۔''

''شاید میں آپ سے باتوں میں نہیں جیت سکتا۔''

''آج میں ہر لحاظ سے جیتنے کی ٹھان کر آئی ہوں... آج کے دن آپ ہار جائیں گے۔ آج کے بعد آپ کی جیت ہی جیت ہوگی۔''

''واقعی۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''میں سوچ کی حد تک سنجیدہ ہوں... یہ خیال نہ کریں کہ میرے چہرے پر مسکراہٹوں کے بادل گھر رہے ہیں... یہ تو میں اپنے چہرے پر زبردستی سجا کر لائی ہوں۔ تاکہ آپ پہلی ملاقات میں مجھ

سے مایوس نہ ہو جائیں۔''

''میرے خیال میں آپ حد درجے عجیب لڑکی ہیں... آپ نے اب تک اپنا تعارف تک نہیں کرایا... اور عشق کا دعویٰ کر بیٹھی ہیں... ہے کوئی تک۔''

''تعارف کی کیا بات ہے... لیجیے... کرائے دیتی ہوں... میں ہوں سیما نعمان... میرے والد شہر کے کامیاب بزنس مین ہیں... اور سردار نعمان بنیاں کہلاتے ہیں... میرے والد آپ سے مل کر بے حد خوش ہوں گے... کیونکہ وہ صرف میری خوشی میں خوش ہیں... جب میں انہیں بتاؤں گی کہ آپ کو پسند کر کے میں نے ان کا کام آسان کر دیا ہے تو بے حد خوش ہوں گے۔''

''کیا واقعی...''مارے حیرت کے میرے منہ سے نکلا۔

''یقین نہیں تو آج ہی تجربہ کرائے دیتی ہوں۔''

''نہ بابا... مجھے تو اس طرح لگے گا ڈر... کہیں انہوں نے جھاڑ واڑ پلا دی تو کیا بنے گا...''

''سیما کی پسند کو اور وہ جھاڑ پلائیں گے... ناممکن... آپ کی اطلاع کے لیے عرض کیے دیتی ہوں کہ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں... ان کا سب کچھ میرا ہے... بھلا وہ کیوں میری مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے لگے... جب کہ انہیں معلوم ہے... وہ اس دنیا میں آج ہیں... کل نہیں ہوں گے تو کیوں نہ اپنی بیٹی کے لیے خوشیوں کے سامان ہی سامان کر جائیں... آپ میری باتیں سن رہے ہیں نا... ان کو کسی مجذوب کی بڑ تو نہیں سمجھ رہے۔''

''میں ان باتوں کو ایک شوخ وشنگ لڑکی کی باتیں خیال کر رہا ہوں... جو کسی بھی وقت بالکل یہی الفاظ کسی دوسرے کے لیے کہہ سکتی ہے۔''

''ناممکن! میری آنکھوں کو تو پسند ہی ایک چہرہ آیا ہے... آج سے پہلے میں سوچا کرتی تھی... آخر وہ کون ہے... جو مجھے پسند آئے گا... کالج میں بھی یہی سوچا کرتی تھی... یہاں آئی ہوں تو اس سوچ نے میرا پیچھا یہاں بھی نہیں چھوڑا، لیکن جونہی میں نے آپ کو دیکھا... میری سوچ پر لگا کر اڑ گئی... میں نے فوراً جان لیا... یہی تو ہے وہ چہرہ... جس کی مجھے تلاش تھی۔''

''گویا آپ کے نزدیک معیار صرف چہرہ ہے... چہرے کے نقوش ہیں۔''

''ہرگز نہیں... چہرے سے میری مراد ایک پورا انسان ہے... اس میں اس کی عادات بھی آ جاتی ہیں... اور میں آپ کو بتاتی چلوں... میں نے کئی دن تک نہایت خاموشی سے اور چوری چھپے آپ کا

جائزہ لیا ہے... آپ مجھے ہر لحاظ سے بہترین لگے...''

''آپ کی باتیں سن کر حیرت ہو رہی ہے...''اس کے خاموش ہوتے ہی گویا میں نے بولنے کا موضوع نکال لیا۔

''یعنی صرف حیرت... اور خوشی وشی نہیں؟''اس کا منہ لٹک گیا۔

''یہ انصاف نہیں۔''میں سنجیدہ ہو گیا۔

''کیا کہا... یہ انصاف نہیں... میری کون سی بات کو آپ ناانصافی کہہ رہے ہیں بھلا؟''

''آپ نے میرا نہایت خاموشی سے کئی دن تک جائزہ لیا... اور مجھے اس قسم کا کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں ہیں... کیا یہ انصاف ہے۔''

''نہیں!''وہ بھی یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔

''تب پھر مجھے بھی چند دن کی مہلت دیں...''

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر میں نے واقعی اس کی حرکات سکنات کا جائزہ لیا۔ وہ ہر لحاظ سے حسین نظر آئی... یہاں تک کہ میں نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا... اور میں کر بھی کیا سکتا تھا... یہ تو ایک طرح سے عین خوش قسمتی تھی... میری طرف سے مثبت جواب ملتے ہی وہ بولی:

''ہوئی نا بات! ویسے مجھے امید بھی یہی ہے...''

اب ہماری شامیں ایک ساتھ گزرنے لگیں... ہمارا رومان پوری یونیورسٹی میں جلد ہی مشہور ہو گیا۔ سیما کو اس بات کی کوئی پروا نہ تھی... اس نے صاف صاف الفاظ میں مجھ سے کہہ دیا تھا:

''میرے پاپا میری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرتے... انہوں نے زندگی کا ساتھی چننے کے لیے بھی مجھے پوری آزادی دی ہے... میں نے پہلی ملاقات کے بعد ہی انہیں تمہارے بارے میں بتا دیا تھا... وہ سن کر خوش ہوئے تھے... اور اب وہ آپ سے ملنے کے لیے بڑی طرح بے تاب ہیں... وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری پسند کیسی ہے... بہتر ہو گا، اس سلسلے میں آپ بھی اپنے گھر والوں سے بات کر لیں۔''اس پر میں نے اسے بتایا:

''میرے گھر والے اس قدر روشن خیال نہیں ہیں... تاہم میری مرضی کے خلاف وہ بھی کوئی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کریں گے... میں موقع محل دیکھ کر ان سے بات کروں گا... آپ فکر نہ کریں...''

دودن بعد ہی اس نے کہا:

''آج آپ میرے پاپا سے ملیں گے۔''

''اچھا... واقعی۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''ہاں جناب! سوفیصد واقعی۔'' وہ شوخ انداز میں مسکرائی۔

اور پھر میں اس کی کار میں بیٹھ کر اس کے گھر گیا... ان کی کوٹھی بہت عظیم الشان تھی... اس وقت مجھے پتا چلا... اس کے پاپا بہت بڑے اور کامیاب ترین بزنس مین تھے... ان کے پاس بے تحاشہ دولت تھی... اور اولاد بھی ان کے پاس بس سیما تھی... گویا اس ساری دولت کی وہ تنہا مالک تھی... اس بات نے مجھے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا... میں نے سوچا... سیما کے پاپا ضرور یہ خیال کریں گے کہ میں نے ان کی بیٹی کو ان کی دولت کے لیے پھانسا ہے، جب کہ بات یہ نہیں تھی... سیما نے تو خود میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا... مجھے تو اس وقت یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس قدر دولت مند باپ کی بیٹی ہے... اس سے پہلے کہ وہ گیٹ پر پہنچ کر کار سے اترتی... میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا...

''ٹھہریے سیما۔''

''ہاں! کہیے۔''

''واپس چلیے... میں نے فی الحال آپ کے پاپا سے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ پہلے کار بیک کر لیں... پاپا کو موبائل کے ذریعے پیغام دے دیں... کہ آج کی ملاقات ملتوی ہو گئی ہے... اب یہ ملاقات پھر کسی دن ہو گی۔''

''ہوا کیا... آپ کو۔'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ پہلے یہاں سے چلیے تو سہی۔''

''لیکن پاپا ہمارا انتظار کر رہے ہیں... وہ حد درجے باقاعدہ انسان ہیں، پروگرام کے خلاف ہر بات ناگوار گزرتی ہے انہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں... اور جلد وضاحت کر دوں گا... آپ یہاں سے چلیے اور انہیں فون پر پروگرام میں تبدیلی کا بتائیے... پھر میں آپ کو وجہ بتاؤں گا۔''

''اچھی بات ہے... لیکن یہ بات یاد رکھیے گا، پاپا بہت ناخوش ہوں گے۔''

''مجھے خود اس بات کا احساس ہے... لیکن میں بہت مجبور ہوں۔''

اور پھر وہ مجبور ہو گئی... اس نے کار بیک کر لی... پھر کچھ دور آ کر اپنے پاپا کو فون کیا... اور بولی:

''ہیلو پاپا... مجھے بہت افسوس ہے... ہم آپ کی طرف چل چکے تھے اور کوٹھی کے نزدیک پہنچنے ہی والے تھے کہ اچانک یوسف کی طبیعت خراب ہو گئی... میں انہیں ان کے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہی ہوں۔ اگر ان کی طبیعت بالکل سنبھل گئی تو انہیں ساتھ لے آؤں گی... ورنہ یہ پروگرام اب چند دن بعد ہو گا۔''

دوسری طرف کا فون سن کر اس نے موبائل بند کر دیا اور میری طرف مڑتے ہوئے بولی:

''اب چلیے... کہاں چلنا ہے... پاپا سے تو میں نے اجازت لے لی۔''

''آپ نے اچھا کیا...''

''لیکن آپ کو ہوا کیا تھا۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر دولت مند باپ کی بیٹی ہیں... اور ہیں بھی اکلوتی اولاد... گویا آپ اپنے پاپا کی ساری دولت اور جائیداد کی مالک ہیں... ان حالات میں کون آپ سے شادی نہیں کرنا چاہے گا... لیکن بے بی... میں لوگوں کو یہ جملے کہتے ہوئے نہیں سن سکتا... یہ ہے یوسف سلیم... جس نے ایک کروڑ پتی لڑکی سے شادی کی ہے... لوگ تو یہی سمجھیں گے نا کہ میں نے دولت کی وجہ سے آپ کو پھانسا ہے... جب کہ بات اس کے الٹ ہے... میں نے آپ کو نہیں... آپ نے مجھے پھانسا ہے... مجھے تو آج ہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کتنے بڑے دولت مند باپ کی بیٹی ہیں... لہٰذا سیما صاحبہ یہ شادی نہیں ہو سکتی... آئی ایم سوری۔''

''پاگل تو نہیں ہو گئے آپ... آپ یعنی مجھے ٹھکرا رہے ہیں... اسے جس سے شادی کرنے کے لیے ایک درجن سے زیادہ نوجوان پاگل ہوئے پھر رہے ہیں اور ان کا بس نہیں چلتا کہ کسی طرح مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیں... لیکن میں نے انہیں تو گھاس تک نہیں ڈالی... اس لیے کہ مجھے آپ پسند ہیں۔''

''ان سب باتوں کے باوجود... مجھے آپ کی دولت سے کوئی سروکار نہیں... آپ پاپا سے کہہ دیں... میں ان سے ملاقات نہیں کروں گا...'' یہاں تک کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ وہ چند لمحے تک

مجھے آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی... شاید یہ سوچ رہی تھی کہ یہ شخص کیا چیز ہے... کروڑوں کی جائیداد کا مالک بننے جا رہا ہے یہ، لیکن انکار کر رہا ہے۔ آخر اس نے کہا:

"میں نے پاپا کو بتا دیا تھا کہ آپ کو ہماری دولت کے بارے میں بالکل کچھ معلوم نہیں ہے، یہ سن کر پاپا خوش ہوئے تھے۔"

"اس کے باوجود مجھے یہ سب منظور نہیں... لوگ تو پھر بھی یہی سوچیں گے۔"

"حیرت ہے... آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں۔"

"ہاں! میں ان باتوں سے ڈرتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے... میں پاپا کو بتاتی ہوں۔"

اب اس نے اپنے پاپا کو فون کیا اور ساری صورتِ حال انہیں صاف صاف بتا دی... پھر دوسری طرف کا جواب سنتی رہی اور آخر فون بند کر کے مجھ سے بولی:

"پاپا ساری بات سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے ہیں اور اب تو وہ آپ سے ملنے کے لیے بڑی طرح بے چین ہو گئے ہیں۔"

"کیا!!!" میرے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

• ● •

چھٹا باب

اس نے میری طرف بھرپور انداز میں مسکرا کر دیکھا اور بولی:

"ہاں جناب! اب تو آپ کو چلنا ہی ہوگا... اگر اب بھی آپ نہیں جائیں گے تو پاپا آپ کے بارے میں کیا خیال کریں گے... دوسرے یہ کہ اس صورت میں وہ آپ کو کیسے دامادی میں قبول کریں گے۔"

"لیکن آپ نے تو بتایا تھا، آپ کے پاپا آپ کی خوشی کو نہیں ٹالتے۔"

"اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کا ہونے والا داماد ان سے ملاقات تک نہ کرے اور وہ پھر بھی خوشی سے شادی کی اجازت دے دیں... یوں بھی شادی والے دن آپ کو ان سے ملنا پڑے گا... یا اس دن بھی نہیں ملیں گے۔"

میں ہنس دیا۔ اسی شام میں محل نما کوٹھی میں اس کے پاپا سے ملا... وہ دولت مند ہونے کے ناطے کافی بنے ٹھنے سے نظر آئے... ان کی ہر بات سے رکھ رکھاؤ ٹپک رہا تھا... کھانے کی میز پر کہنے لگے:

"مجھے اپنی بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر اور کیا چیز عزیز ہو سکتی ہے... آخر یہ سب ہے کس کا... اسی کا... میرا کیا ہے... دل کا مریض ٹھہرا... آج ہوں۔ کل نہیں ہوں گا... اور میں اس قسم کے معاملات میں زیادہ کرید کرنے کا عادی نہیں... سیمایوں بھی بہت سمجھ دار ہے... اس نے اگر تمہیں پسند کیا ہے... تو بلا وجہ نہیں کر لیا... لہٰذا مجھے یہ رشتہ منظور ہے... اب جب تم دونوں کا ارادہ بنے مجھے بتا دینا... میں شادی کی تاریخ طے کر دوں گا... لیکن کیا اس سے پہلے تم مجھے اپنے والدین سے نہیں ملواؤ گے۔"

"جی ضرور ملواؤں گا... آپ جس روز کہیں... میں انہیں لے آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے... میں بتا دوں گا... ان سے ملاقات بہت ضروری ہے... ویسے تو میرا خیال ہے... ان کی کوئی شرائط نہیں ہوں گی... ہوں بھی تو میں ہر شرط منظور کر لوں گا... میں اپنی بیٹی کے لیے

سب کچھ کروں گا... سب کچھ۔'' وہ آب دیدہ ہو گئے۔

''پاپا۔'' سیما کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے...

• • •

ایک باپ کی اپنی اکلوتی بیٹی سے اور بیٹی کی باپ سے یہ والہانہ محبت مجھے حیرت زدہ کر گئی... اس حد تک والہانہ پن کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ سیما کی والدہ وفات پا چکی تھیں... اور اس محل نما گھر میں وہ دو ہی تھے... سیما کے دو چار بھائی بہن ہوتے تو شاید سردار خالد کی محبت کسی حد تک تقسیم ہو جاتی...

دوسرے ہی روز سیما نے مجھ سے ناراضی کے عالم میں کہا:

''پتا ہے... پاپا کیا کہہ رہے تھے۔''

''کیا کہہ رہے تھے۔'' میں نے یونیورسٹی کے لان میں کھلے پھولوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''کہہ رہے تھے، اب یوسف سلیم کو چاہیے... جلد از جلد اپنے والدین کو ہمارے ہاں لے آئیں... میں ٹھہرا دل کا مریض... میری زندگی کا کیا پتا... میں تو جلد از جلد اس فرض سے فارغ ہو جانا چاہتا ہوں... تو جناب! اب آپ مہربانی کریں... اور انکل اور آنٹی کو لے آئیں... بلکہ میں تو کہتی ہوں... آج ہی شام کو لے آئیں... پتا ہے پاپا انتظار کرنے سے بہت گھبراتے ہیں۔''

'میں کوشش کروں گا... میرے لیے مسئلہ یہ ہے کہ میں نے آج تک ان سے اس موضوع پر کبھی بات نہیں کی۔''

''اور آپ بات کر بھی کیسے سکتے ہیں... آپ کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی لڑکی آئی جو نہیں۔''

''یہ بات بھی ہے... لیکن پھر بھی نوجوان لوگ اپنے ماں باپ سے یا ماں باپ اپنی نوجوان اولاد سے آخر شادی کے سلسلے میں بات کرتے ہی ہیں۔''

''خیر... آج ان سے بات کرلیں... وہ آپ کو کھا تو نہیں جائیں گے۔'' اس نے بُرا سا منہ بنایا... لیکن اس کا یوں بُرا سا منہ بنانا خالص مصنوعی تھا... میں ہنس پڑا۔

''میں سوچ رہا ہوں... آخر ان سے بات کس طرح کروں گا۔''

''جس طرح میں نے اپنے پاپا سے بات کی ہے۔'' اس نے آنکھیں نکالیں۔

مجھے پھر ہنسی آ گئی... آخر میں نے کہا:

''بہر حال میں آج ان سے کسی نہ کسی طرح بات کرلوں گا... وہ بھی آپ کی خاطر۔'' میں نے اس کے گال کو ایک انگلی سے چھوا...

''حیرت ہے... آپ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں... اور اپنی شادی کے سلسلے میں ماں باپ سے بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔''

''میں ڈرتا نہیں جھجکتا ہوں... سیما! آخر ہم لوگ مشرقی ہیں... مغربی نہیں... ہم اپنی مشرقی اقدار کو بالکل تج تو نہیں سکتے۔''

''اچھا بابا... آپ اپنی مشرقی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے، کسی نہ کسی پیرائے میں آج ان سے بات کرلیں اور آج نہیں تو کل ضرور انہیں لانے کا پروگرام ترتیب دے لیں... اور ہاں... مجھے فون کرنا نہ بھولیں... نہیں تو۔'' اس نے ایک بار پھر شوخ انداز میں آنکھیں گھمائیں... یہ اس کا مخصوص انداز تھا اور سچ تو یہ ہے حسن... وہ اس انداز میں بہت ہی جچتی تھی... میں نے اس شام چائے کی میز پر بات شروع کرنے کی ٹھان لی... ماں نے میرے بات شروع کرنے سے پہلے ہی شاید میری کیفیت بھانپ لی... وہ بولیں:

''بیٹا یوسف... کچھ پریشان لگ رہے ہو۔''

''جی... جی نہیں تو امی۔''

''میں ماں ہوں بیٹا...'' وہ مسکرائیں۔

''اس میں کیا شک ہے۔'' ابا جان بول پڑے اور ہم دونوں ہنس دیے... اسی وقت وہ بول اٹھے:

''ویسے بیٹا! تمہاری ماں کا اندازہ سو فیصد درست لگتا ہے...''

''لگتا ہے نہیں... درست ہے۔'' امی جان نے انہیں تیز نظروں سے دیکھا۔

''وہی... وہی... آپ کا اندازہ تو آج تک ایک بھی غلط نہیں ہوا۔'' ابا جان گھبرا گئے۔

''ہاں تو یوسف اپنی ماں کو نہیں بتاؤ گے... کہو تو میں خود بتا دوں۔'' شاید یہ کہتے ہوئے وہ بھرپور انداز میں مسکرائیں۔

''جج... جی... کیا مطلب؟''

''اپنی شادی کے بارے میں سوچ رہے ہونا... لیکن تم فکر نہ کرو... تمہارے ابا جان اور میں اس طرف سے بے فکر نہیں ہیں... اور تمہیں یہ جان کر بہت خوشی ہوگی کہ ان کے والد کے ایک دوست

سے انہوں نے ان کی پوتی کا رشتہ مانگ بھی لیا ہے۔''

''جی کیا مطلب؟'' میں بھونچکا رہ گیا... زندگی میں پہلی بار اس قدر شدید حیرت ہوئی۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میرے ماں باپ مجھ سے پوچھے بغیر میرے رشتے کی بات شروع کر دیں گے... میری اڑی اڑی رنگت انہوں نے فوراً بھانپ لی۔

''کیا ہوا بیٹے۔'' دونوں ایک ساتھ بول پڑے۔

''وہ... جی... بات دراصل یہ ہے کہ۔'' اور میری ہمت جواب دے گئی۔''

''ہاں ہاں کہو... تم ہمارے ایک ہی بیٹے ہو... ہم تو تمہیں ہی دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں... تمہاری پریشانی ہمارے لیے عذاب ہے... جلدی سے بتاؤ بات کیا ہے...'' امی نے بے قراری کا اظہار کیا۔

''وہ بات یہ ہے ابا جان... یونیورسٹی کی ایک لڑکی...'' میں پھر آگے نہ کہہ سکا۔

''اوہ! تو یہ بات ہے... دونوں دھک سے رہ گئے۔

''جی ہاں... ابا جان! میں مجبور ہوں... اب میں کیا بتاؤں۔''

''تم نے ہمیں شدید الجھن میں ڈال دیا... جس گھرانے کی میں بات کر رہا ہوں... وہاں میں نے خود بات کی ہے... اب میرا ہی انکار کرنا بہت معیوب بات ہوگی... تم خود سوچو... ہاں اگر وہ انکار کر دیں تو اور بات ہے۔''

''اس کا مطلب ہے... ابھی انہوں نے رشتہ طے نہیں کیا۔''

''وہ طے کرنے کے قریب ہیں... اشارہ دے چکے ہیں... خیر... اب اس کا ایک ہی حل ہے... میں فی الحال خاموشی اختیار کر لوں اور ان کے ہاں نہ جاؤں... اگرچہ یہ اچھا بھی نہیں لگتا... لیکن خیر... یہ بھی سہی... اب اگر وہ خود فون کر کے بلا لیتے ہیں تو مجھے جانا ہوگا اور اگر وہ کہہ دیتے ہیں... کہ ہمیں یہ رشتہ منظور ہے... تو میں تو کم از کم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔''

''اور نہ میں میرے لال۔'' امی جان نے فوراً کہا۔

''میری ایک درخواست ہے۔''

''ہاں... کہو۔'' امّی جان نے قدرے رنجیدہ ہو چکی تھیں۔

''آپ آج کل میں اس کے والد سے مل لیں... لڑکی کو بھی دیکھ لیں... گھر بھی آپ دیکھ لیں گے... اس کے بعد آپ جو فیصلہ کریں گے... مجھے منظور ہوگا۔''

''کیا واقعی؟''

''جی ہاں! یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ آپ اس لڑکی کو دیکھ کر اور اس گھر کو دیکھ اور لڑکی کے والد سے مل کر اپنا فیصلہ خود بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''اوہو یوسف! بات فیصلہ بدلنے کی نہیں... بات زبان کی ہے... اور اپنی زبان سے میں نے خود رشتہ مانگا ہے... اگر رشتہ انہوں نے مانگا ہوتا... تو اور بات تھی... لیکن پھر بھی ہم ان سے ملاقات کریں گے... ان سے معلوم کر لو... آج آنا ہے یا کل۔''

''وہ تو آج ہی ملاقات کے لیے تیار ہیں... بلکہ وہ تو کئی دن سے آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں... بس میں ہی بات کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا...''

''اچھی بات ہے... آج ہی چلے چلتے ہیں۔''

میں یہ سن کر خوش ہو گیا... مجھے یقین ہو چلا تھا کہ سیما اور اس کے والد سے مل کر اور ان کی محل نما کوٹھی کو دیکھ اور یہ جان کر کہ ان کی ایک ہی بیٹی ہے... اور یہ سب کچھ اسی کا ہے... وہ ضرور فوراً مان جائیں گے...

میں نے سیما کو فون کیا... وہ فوراً چہکتی آواز میں بولی:

''ہاں تو کیا رہا... آ رہے ہیں یا نہیں۔''

''آ رہے ہیں... آج شام ٹھیک چھے بجے۔''

''اللہ کا شکر ہے... یہ مرحلہ تو طے ہوا۔'' اس نے مسرت سے بھرپور انداز میں کہا۔

اور میں نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا... ہم لوگ ٹھیک چھے بجے سیما کے دروازے پر پہنچ چکے تھے اور گھنٹی بجاتے ہوئے جہاں میرا دل دھک دھک کر رہا تھا... وہاں میں یہ دعائیں بھی کر رہا تھا کہ امی جان اور ابا جان کو یہ رشتہ پسند آ جائے اور وہ اس رشتے کا خیال تک دل سے نکال دیں... سیما اپنے والد کے ساتھ کھڑی نظر آئی اور سچ تو یہ ہے... کاسنی رنگ کے خوب ترین لباس میں وہ اس قدر پھب رہی تھی کہ خود میں بھی دنگ رہ گیا... مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے اسے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہو... یا پھر آج سے پہلے جیسے میں نے اسے غور سے دیکھا ہی نہیں تھا...

''السلام علیکم۔'' امی جان اور ابا جان کی آواز سن کر میں چونک اٹھا... میں نے بھی گڑبڑا کر کہا:

''السلام علیکم۔''

''کہاں پہنچ گئے تھے۔'' سیما مسکرائی... میں بھی جواب میں مسکرادیا۔

''وعلیکم السلام۔'' سردار خالد بولے۔

اور پھر وہ ہمیں کشاں کشاں اندر لے گئے... ڈرائنگ روم بہت اچھے انداز میں ترتیب دیا گیا تھا... لگتا تھا... سیما نے اس پر خوب توجہ دی ہے... گھر میں اگرچہ تین ملازم تھے... لیکن یہ کام ملازموں کا نہیں لگ رہا تھا... پھر سب صوفوں پر بیٹھ گئے...

''یہ ہیں میرے والد نثار احمد... اور میری والدہ خالدہ بی بی... اور ابا جان... یہ ہیں سیما کے والد سردار خالد صاحب... سیما کا نام تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے۔''

''ہوں شکریہا'' دونوں مسکرا دیے۔

اب بات چیت کا دور شروع ہوگیا... جلد ہی ملازم چائے اور دوسرے لوازمات لے آئے۔ سیما بڑھ بڑھ کر چیزیں میرے والدین کی طرف سرکانے لگی... وہ ان کے آگے گویا بچھی جا رہی تھی... اس سے اندازہ ہوتا تھا... وہ مجھے کس حد تک چاہنے لگی ہے... اس کا یہ والہانہ پن میرے والدین کی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا... اگرچہ وہ اپنی باتوں میں الجھے ہوئے تھے... ادھر میں اور سیما اپنی باتوں میں گم تھے:

''آج تو غضب ڈھا رہی ہیں۔'' میں نے دبی آواز میں کہا۔

''کیا واقعی؟'' اس نے شریر انداز میں کہا۔

''اب دیکھیں... بڑے کیا فیصلہ کرتے ہیں۔''

''ظاہر ہے... آپ کو میرے ابّو پہلے ہی پسند کر چکے ہیں... رہ گئی میں... اب میں اتنی بھی گئی گزری نہیں کہ آپ کے ابّو اور امی مجھے ان فٹ کر دیں۔''

''کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''کوئی بات نہیں... دیکھا جائے گا... مجھ سے بچ کر آپ جائیں گے کہاں؟''

میں بے اختیار ہنس پڑا... اس کا انداز ہی ایسا تھا... ادھر میں نے سنا... سیما کے والد کہہ رہے تھے:

''مجھے تو یہ رشتہ منظور ہے اور میرے خیال میں یوسف سے اچھا لڑکا... سیما کے لیے کوئی ہو نہیں سکتا... لہٰذا میری طرف سے منظوری ہی منظوری ہے۔''

''سیما واقعی بہت اچھی بچی ہے... ہمیں اس سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے... ہم یوسف سے

گھر جا کر بات کریں گے اور پھر آپ کو بتا دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سردار خالد نے فوراً کہا۔

''لیکن انکل! آپ ان سے یہیں... ہمارے سامنے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔'' سیما نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

''یہ کھل کر وہیں بتا سکیں گے۔'' امی جان نے جلدی سے کہا۔

''ٹھیک ہے... ٹھیک ہے...'' سردار خالد نے تائید کی۔

پھر ہم کچھ دیر اور بیٹھ کر اٹھ گئے... انہوں نے پرجوش انداز میں ہمیں رخصت کیا... چلتے وقت امی جان نے ان سے کہا:

''آپ لوگ بھی ہماری طرف چکر لگا لیں۔''

''وہ تو آنا ہوگا۔'' سردار خالد مسکرائے۔

''بلکہ جلد آنا ہوگا۔'' سیما نے ٹکڑا لگایا... اور سب مسکرانے لگے... پھر ہم کار میں بیٹھ گئے... وہ دونوں اس وقت تک الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے رہے جب تک کہ وہ ہمیں نظر آتے رہے۔

''ہاں تو آپ کا کیا خیال ہے... سیما کے بارے میں اور اس کے والد کے بارے میں۔''

''سیما اچھی ہے... اور اس کے والد اس سے بھی اچھے ہیں... اگر ہم لوگ پہلے ہی کہیں بات نہ کر چکے ہوتے... تو فوراً ہی اس رشتے کو منظور کر لیتے...''

''آپ موازنہ کر کے بتائیں نا۔'' میں نے ضدی بچوں کے انداز میں کہا۔

''موازنہ... کیسا موازنہ؟'' ابا جان نے حیران ہو کر پوچھا۔

''سیما کا موازنہ اس لڑکی کے ساتھ جسے آپ نے پسند کیا ہے۔''

''اچھا وہ... یوسف! تم نے اسے دیکھا نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''حقیقت یہی ہے کہ وہ سیما سے بہت زیادہ خوب صورت ہے... یوں سیما کم خوب صورت نہیں۔''

''لیکن ابا جان... خوب صورتی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔''

''اس میں شک نہیں... لیکن اور لحاظ سے بھی ہماری پسند ہی بہتر ہے۔''

''بھلا میں یہ بات کس طرح مان لوں... جب کہ میرا دل اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔''

''تم نہ مانو... ہم تمہیں وہ لڑکی بھی دکھائیں گے... اور فیصلہ تم پر چھوڑ دیں گے۔''

''بہت خوب! یہ ہوئی نا بات...'' میں خوش ہو گیا۔

''تب پھر یوسف! یہ طے رہا۔'' ابا جان کے لہجے میں جوش تھا۔

''یہ بالکل طے رہا۔''

''تب پھر... فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔''

''آپ کا مطلب ہے... میں اس لڑکی کو دیکھ کر سیما کا خیال دل سے نکال دوں گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ہاں بالکل۔''

''ناممکن۔''

''خیر خیر... دیکھا جائے گا۔''

میں نے سر ہلا دیا... دوسرے دن ابا جان سے پتا چلا کہ ان کا پسندیدہ گھرانا کچھ چھٹیاں گزارنے پہاڑ پر جا چکا ہے... لہٰذا اب اس گھرانے سے ملاقات پندرہ دن پر جا پڑی... مجھے یہ سن کر نہ جانے کیوں ایک انجانی سی خوشی ہوئی... میں نے ایک ترکیب سوچی کہ... میں مہلت سے فائدہ اٹھاؤں گا... سیما کی اپنے والدین سے خوب ملاقاتیں کراؤں گا... اس طرح ان کے دل اس کی طرف مائل ہو جائیں گے... اور جب تک وہ گھرانہ واپس آئے گا... وہ سیما کے حق میں فیصلہ دے چکے ہوں... یہ سوچ کر میں مطمئن ہو گیا...

اور میں نے اپنی ترکیب پر عمل شروع کر دیا... دوسرے تیسرے دن سیما کو گھر لے جانے لگا ...اس نے اپنی عادات اور رکھ رکھاؤ سے ان دونوں کے دلوں میں واقعی گھر کر لیا... تاہم امی جان اور ابا جان اب بھی یہی کہتے:

''ابھی تم نے ہماری پسند نہیں دیکھی... جب دیکھ لو گے، تب بات کرنا۔''

میں ان کی باتیں سن کر مسکرا دیتا... میرے من میں تو سیما بسی تھی... وہاں کسی اور کے لیے جگہ تھی کہاں... اس لیے میں مسکراتا نہ تو اور کیا کرتا... ایک دن سیما بہت خوش نظر آئی...

''کیا بات ہے... آج خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی۔''

''ہاں یوسف! آج میں بہت خوش ہوں... آج ابا جان تحفہ دے رہے ہیں۔''

''تحفہ دے رہے ہیں...'' میرے لہجے میں حیرت در آئی۔

''ہاں! تحفہ... لیکن آپ نے پوچھا نہیں... تحفہ کسے دے رہے ہیں۔''

''ظاہر ہے... اپنی بیٹی کو دے رہے ہیں۔''

''اس صورت میں میں اتنی خوش نظر نہ آتی، کیونکہ مجھے تو وہ تحائف دیتے ہی رہتے ہیں۔''

''تب پھر وہ کسے تحفہ دے رہے ہیں۔''

''آپ کو!'' وہ کھلکھلا دی۔

''کیا... مجھے تحفہ دے رہے ہیں۔''

''ہاں! اور آج انہوں نے آپ کو شام کی چائے پر دعوت دی ہے...''

''اچھی بات ہے... اب ذرا یہ بھی بتا دیں کہ وہ تحفہ کیا دے رہے ہیں مجھے۔''

''یہاں نہیں... وہاں چل کر پوچھیے گا۔'' وہ مسکرا دی۔

آخر میں شام کو ان کے ہاں پہنچ گیا... وہ چائے کی میز پر میرے منتظر تھے... مجھے دیکھ کر دونوں کھل اٹھے... سردار خالد اٹھ کر میری طرف لپکے اور مجھے سینے سے لگا لیا... پھر پہلے چائے پی گئی... اس کے بعد انہوں نے کہا:

''سیما نے آپ کو بتا ہی دیا ہوگا... یہ میری طرف سے آپ کے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی مٹھی کھول دی... ان کی ہتھیلی پر رکھی چیز کو دیکھ کر میں چونک پڑا:

•●•

ساتواں باب

وہ ایک چابی تھی... نئی اور چمکتی ہوئی چابی... میرے منہ سے نکلا:

"یہ... یہ کیا انکل۔"

"ایک عدد نئی کار... صرف آپ کے لیے... ہم دونوں کی طرف سے مشترکہ تحفہ۔" سردار خالد مسرت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر بولے۔

"یہ... یہ کیا انکل... اتنا بڑا تحفہ۔"

"آپ سے ہمیں کیا اچھا یوسف!" ان کا لہجہ جذباتی ہو گیا۔

"میں بہت الجھن محسوس کر رہا ہوں انکل۔"

"بھئی اس میں الجھن کیسی... تم کوئی غیر ہو... اب تو تم اس گھر کے فرد ہو... یار معاف کرنا... یہ گھر اب تمہارا گھر ہے... ہمارا سب کچھ تمہارا ہے... سمجھے تم... اب اس چابی سے گاڑی کا دروازہ کھولو اور سیما کو سیر کرانے کے لیے گاڑی نکال لے جاؤ۔"

"شکریہ! انکل!" میرے منہ سے نکلا۔

انہوں نے میرے گال تھپتھپا دیے... میں سیما کے ساتھ گیراج میں داخل ہوا... تو دھک سے رہ گیا... وہ چم چم کرتی ٹیوٹا کرولا تھی... اور اس وقت اس کی قیمت کم از کم تیرہ لاکھ تھی...

"بہت زیادہ تکلف کیا انکل نے۔"

"چپ!" سیما نے میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا... اور پھر ہم نئی کار میں سیر کے لیے نکل گئے... اس وقت میں خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا... ہم دونوں ہنس رہے، قہقہے لگا رہے تھے... لیکن تقدیر ہم پر ہنس رہی تھی...

دوسرے دن شام کو میں اپنی نئی کار میں سیما کے گھر پہنچا... میں نے دستک دی... دروازہ فوراً

ہی کھل گیا... اور سردار خالد کے ملازم توفیق کی صورت دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں... وہ مجھے دیکھتے ہی پھٹ پڑا:

"صاحب جی... بی بی جی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے... صاحب کو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اطلاع ملی ہے... وہ سول ہسپتال گئے ہیں... ایمرجنسی وارڈ کمرہ نمبر 3 میں ہیں بی بی جی۔"

میرے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی... میں نے فوراً کار موڑی۔ آندھی اور طوفان کی طرح کار چلاتا سول ہسپتال پہنچا۔ ایمرجنسی وارڈ میں کمرہ تین کا دروازہ کھلا تھا... اندر انکل ڈاکٹر حضرات کے ساتھ موجود تھے... بیڈ پر سیما ساکت تھی... میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اندر داخل ہوا... بظاہر اس کے جسم پر کوئی زخم نظر نہیں آ رہا تھا... ڈاکٹر حضرات اس کی نبض اور دل کی دھڑکن بار بار چیک کر رہے تھے... اسے آکسیجن دی جا رہی تھی... جونہی انکل سردار خالد نے مجھے دیکھا... وہ مجھ سے لپٹ گئے... اور لگے بری طرح رونے... میں منہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکا... بس آنسو بہاتا رہا... آخر انہوں نے کہا:

"اپنی کار میں چلی جا رہی تھی کہ سامنے اچانک ایک لڑکا آ گیا... بس اسے بچانے کی کوشش میں کار ایک درخت سے ٹکرا گئی... دماغ پر چوٹ آئی ہے... خون نہیں نکلا... ڈاکٹر اس بات کو خطرناک بتا رہے ہیں... ان کا کہنا ہے... اگر خون نکل جاتا تو اچھا تھا... اب اس حالت میں یہ آپریشن بھی نہیں کر سکے... بس انجکشن لگا رہے ہیں... یوسف دعا کرو... میرا تو اس کے سوا کوئی اور ہے بھی نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگے... ان کے ساتھ میں بھی آنسو بہا رہا تھا... ڈاکٹر ہم دونوں سے بے خبر اپنی کوششوں میں لگے ہوئے تھے... آخر وہ کمرے سے جانے لگے... اس وقت ان میں سے ایک نے کہا:

"امید ہے... آدھ گھنٹے تک انہیں ہوش آ جائے گا... اگر ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے مزید نصف گھنٹا گزار لیا تو ان کے بچنے کی امید کی جا سکتی ہے اور اگر ہوش میں آنے کے بعد یہ پھر بے ہوش ہو گئیں... تب..." ڈاکٹر کہتے کہتے رک گیا۔

"تب... تب کیا ڈاکٹر صاحب... خدا کے لیے مجھ سے کوئی ہولناک بات مت کہیے گا... مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں... میری تو پوری کائنات بس یہی بچی ہے..."

"حوصلہ رکھیں سردار خالد صاحب... ہم پوری کوشش کر رہے ہیں... آگے جو اللہ کو منظور، ہم آدھ گھنٹے بعد پھر آئیں گے... اس سے پہلے اگر یہ ہوش میں آ جائیں تو گھنٹی بجا دیجیے گا... نرس ہمیں اطلاع دے دیں گی۔"

"جی... اچھا۔"

ڈاکٹر لوگ چلے گئے... ہم دونوں بستر کے دائیں بائیں بیٹھ گئے... میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا... انکل کی حالت بھی مجھ سے بہتر نہیں تھی... اللہ اللہ کر کے آدھ گھنٹا پورا ہو گیا۔ ہماری نظریں سیما کے چہرے پر جمی تھیں... وہ اب پہلے کی نسبت زیادہ زور سے سانس لے رہی تھی... اور پھر اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں... پہلی نظر اس کی اپنے پاپا کے چہرے پر پڑی... دوسری نظر میرے چہرے پر... اس کے ہاتھوں میں حرکت پیدا ہوئی... ہم اس کا اشارہ سمجھ گئے... دونوں نے اس کا ایک ایک اپنے ہاتھوں میں لے لیا... اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکل کر گالوں پر ڈھلک آئے... پھر اس کے ہونٹ ہلے:

"یوسف! پاپا کا خیال رکھنا۔"

یہ کہتے ہی اس کی گردن ڈھلک گئی۔

"کیا!!!" حسن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں حسن یہ سوچو! اس باپ کی حالت کیا ہوئی ہو گی... جس کا اس بیٹی کے سوا دنیا میں کوئی بھی نہیں تھا... وہ وہیں فرش پر لڑھک گئے... میں نے مشکل سے ہاتھ بڑھا کر گھنٹی کا بٹن دبایا، کیونکہ جان تو میری بھی نکلی جا رہی تھی...

وہ اور اس کے بعد آنے والے چند دن زندگی کے کیسے دن تھے، بیان سے باہر ہیں... مجھ سے انکل کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی... ان کے مقابلے میں میرا غم کچھ بھی نہیں تھا... میرا اور سیما کا ساتھ تو چند ماہ کا تھا... ان کے گھر میں تو وہ پیدا ہوئی تھی... بائیس سال تک جو بیٹی ان کے ساتھ رہی تھی... وہ یک دم یوں چلی گئی تھی جیسے دنیا میں تھی ہی نہیں... ان کی حالت جب کسی طرح نہ سنبھلی تو ڈاکٹر انہیں نیند کے انجکشن لگانے پر مجبور ہو گئے... اس طرح پندرہ بیس دن بعد وہ اس قابل ہو سکے کہ اٹھ بیٹھ سکیں... میں نے ان کی مسلسل تیمارداری کی... ان کا ہر طرح خیال رکھا... سچ تو یہ ہے کہ ان کے غم کے مقابلے میں اپنا غم بھول گیا تھا... اپنا غم تو مجھے اس وقت یاد آیا جب ان کی حالت قدرے سنبھل گئی اور پھر میری حالت غیر ہو گئی... میں دن رات رونے لگا... میرے ابا جان اور امی جان پریشان ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے... مجھے گھر لے جائیں... لیکن میں انکل کا ساتھ چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا... بس انہیں یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ جب تک انکل پوری طرح نہیں سنبھل جاتے... میں نہیں آ سکتا... وہ بھی مجبور ہو گئے...

ایک ماہ گزر گیا... اب وہ چلنے پھرنے لگے تھے... کھانے پینے بھی لگے تھے، لیکن اپنے کاروبار میں ان کی دلچسپی اب بھی شروع نہیں ہوئی تھی... ان کا چمڑے کا کارخانہ تھا... بس منیجر وغیرہ سے ایک دو باتیں پوچھ لیتے... ایک دن جب ہم شام کی چائے کے لیے میز پر پہنچے اور میں ان کے لیے چائے بنانے لگا تو انہوں نے کہا: "میں چاہتا ہوں یوسف! اپنی ساری جائیداد تمہارے نام کر دوں۔"

"جی... یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" میں دھک سے رہ گیا۔

"میں... میں اب زیادہ دن تک نہیں جیوں گا... آخر یہ ساری دولت... یہ جائیداد... یہ کارخانہ کس کے کام آئے گا... میری بیٹی ہوتی... تم سے اس کی شادی ہوتی... اس وقت بھی تو تم ہی ان سب چیزوں کے مالک ہوتے۔" یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑے۔

"میں نہیں انکل... ہمارے بچے۔" میں نے فوراً کہا۔

"پھر بھی... تم میری اس خواہش کے راستے میں نہ آؤ... جو میں کہہ رہا ہوں... مجھے کرنے دو۔"

"اللہ آپ کو سلامت رکھے انکل... آپ کو ابھی اس دنیا میں بہت جینا ہے... اپنے لیے نہیں تو دکھی انسانیت کے لیے جینا ہے... آپ یہ ساری جائیداد میرے نام نہ کریں... کوئی فلاحی ادارہ قائم کر دیں... آپ کے کارخانے کی آمدنی سے وہ فلاحی ادارہ چلتا رہے گا... باقی رہی بات فلاحی ادارے کی دیکھ بھال کی... وہ آپ کسی ایمان دار آدمی کے ذمے لگا دیں۔"

"وہ ایمان دار آدمی تم کیوں نہیں ہو سکتے یوسف۔" انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"سیما کے غم نے اگر مجھے اس قابل رہنے دیا تو میں یہ کام ضرور اپنے ذمے لے لوں گا... لیکن لگتا یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو سکے گا... سیما کا غم مجھے لے بیٹھے گا... میں اندر ہی اندر گھل رہا ہوں انکل... اس وقت تک بھی میں نے خود کو کسی نہ کسی طرح بس آپ کے لیے سہارا دیا ہے... جانتے ہیں کیوں انکل؟"

"کیوں؟" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"سیما کے آخری الفاظ یہ تھے... پاپا کا خیال رکھنا..."

وہ پھر رو پڑے... میں بھی رونے لگا... آنسوؤں کی برسات میں میں نے کہا:

"اسے معلوم تھا... آپ خود کو سنبھال نہیں پائیں گے... اب یہ ذمے داری وہ مجھے سونپ گئی... چنانچہ میں نبھاؤں گا اسے انکل... میں نبھاؤں گا۔"

وہ بے خود ہو کر مجھ سے لپٹ گئے... کتنی ہی دیر ہم روتے رہے... جب آنسو خوب نکل گئے تو

میں نے محسوس کیا... جی کچھ ہلکا ہوگیا ہے... اب میں نے ان سے کہا:

''اگر آپ اجازت دیں... تو میں آج تھوڑی دیر کے لیے گھر ہو آؤں گا۔''

''ہاں ضرور... تمہارے والد اور والدہ بھی تمہارے لیے پریشان ہیں۔''

''شکریہ انکل''

میں گھر پہنچا تو امی جان مجھ سے لپٹ گئیں... چائے کے دوران ابا جان نے بتایا:

''بیٹا اچھا ہوا... میں نے ان لوگوں سے بات ختم نہیں کی... وہ جب پہاڑ سے واپس آئے تو انہوں نے فون کیا تھا... اس وقت تک یہ حادثہ نہیں ہوا تھا... لیکن پھر بھی میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا... بس اتنا کہا تھا... میں یوسف کو لے کر کسی دن آپ کے ہاں آؤں گا... پھر بات طے کرلیں گے۔''

''نہیں ابا جان!'' میں بول اٹھا۔

''نہیں ابا جان! کیا مطلب۔''

''میں اب ساری زندگی شادی نہیں کراؤں گا۔''

''پاگل نہ بنو بیٹا... یہ زندگی اس طرح نہیں کٹے گی... '' امی بولیں۔

''میں کاٹ لوں گا امی... سیما کے غم کے سہارے۔''

''نہیں... نہیں۔'' دونوں نے پریشان ہوکر کہا۔

''آپ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔'' میں جلدی سے بولا۔

''اگر تم چاہتے ہو... کہ ہم پریشان نہ ہوں تو تم ہماری بات مان لو... ''

''ابھی آپ یہ ذکر نہ چھیڑیں... سیما کا غم بہت تازہ ہے۔'' امی جان نے انہیں روک دیا اور وہ خاموش ہوگئے۔

میں پھر انکل کے پاس چلا آیا... پھر جانتے ہو حسن... کیا ہوا... رفتہ رفتہ انکل کی حالت تو سنبھلتی چلی گئی... اور میری حالت غیر ہوتی چلی گئی... مجھے ہر لمحے سیما یاد آنے لگی... اس کی باتیں یاد آنے لگیں... اب میں راتوں کو گھر سے نکل جاتا اور سڑکوں پر گھومتا رہتا... جب تھک کر چور ہو جاتا تو کہیں بیٹھ جاتا... یا پھر انکل کے پاس آ جاتا... اپنے گھر تک جانا میں نے چھوڑ دیا تھا... ادھر سے فون آتا تو میں چلا جاتا... وہ مجھے سمجھانے لگتے... میں ہوں ہاں کرتا رہتا... اور پھر واپس آ جاتا... لیکن دل کی وحشت مجھے پھر سڑک پر لے آتی...

• ● •

آٹھواں باب

''بالکل میری طرح۔'' حسن بول پڑا۔

''ہاں حسن! تم یہی سمجھ لو... بلکہ میں تو رات کے وقت جنگل کی طرف بھی نکل جاتا تھا... گھر کے افراد نے مجھے بہت سمجھایا... لیکن... کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی... آتی بھی کیسے... میرے حواس پر تو سیما بڑی طرح سوار تھی... مجھے تو اس کی موت کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا... اگرچہ اس نے میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا تھا... سیما کے پاپا نے بھی کئی بار مجھ سے ملاقاتیں کیں... مجھے سمجھایا... لیکن مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا... بس میری حالت نیم پاگلوں کی سی تھی... میرے والدین کا بہت بڑا حال تھا... میں بھی ان کا اکلوتا بیٹا تھا... اور میری حالت ان سے دیکھی نہیں جا رہی تھی... پھر سب تھک ہار گئے... انہوں نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا... میرا راتوں کو شہر کی سڑکیں ناپنے کا معمول جاری رہا... پھر ایک دن میں جنگل کی طرف نکل گیا... چلا جا رہا تھا... بالکل بے خوف... یعنی اس بات کا خوف بھی نہیں تھا کہ کوئی درندہ میرے سامنے آ جائے گا۔ ایسے میں ایک آواز میرے کانوں میں آئی...

وہ عجیب سی آواز تھی... اس میں عجیب سا جادو تھا... میں آواز کی طرف بڑھتا چلا گیا... بڑھتا چلا گیا... یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا... ٹوٹا پھوٹا سا مکان نظر آیا... آواز اس میں سے آ رہی تھی... میں دیوار سے لگ گیا... اس آواز سے مجھے سکون ملنے لگا... مجھے نیند آ گئی... یہاں تک کہ میں وہیں لیٹ کر سو گیا... آنکھ کھلی تو ایک بوڑھا مجھے کندھے سے پکڑ کر ہلا رہا تھا... اس کے چہرے پر ایک سفید، لمبی سی ڈاڑھی تھی:

''یہ کیا نوجوان! تم یہاں سوئے پڑے ہو... اگر تم رات کسی ضرورت کے تحت یا بغیر ضرورت کے پہنچے تھے تو دروازے پر دستک کیوں نہ دی... میں تمہارے لیے دروازہ کھول دیتا... تمہیں کھانا

کھلاتا اور بستر دیتا۔''

''مجھے پتا ہی نہیں چلا، کب نیند آئی اور کب میں نیند کے ہاتھوں مجبور ہو کر سو گیا۔''

''لیکن تم ہو کون... اس طرف کیسے نکل آئے... یہ تو جنگل ہے اور تم شہر کے رہنے والے لگتے ہو... ادھر کیسے بھول پڑے۔''

''بس! یوں سمجھ لیں کہ تقدیر کھینچ لائی۔'' میں نے قدرے مسکرا کر کہا۔

''یہ تو خیر تم نے ٹھیک کہا... اچھا خیر... آؤ تم اندر آجاؤ... کچھ اپنے بارے میں بتاؤ.. کون... کیا کرتے ہو۔''

وہ مجھے اندر لے آیا... وہ ایک ٹوٹا پھوٹا بالکل سادہ سا گھر تھا... دو کمروں کا گھر تھا... اور کچھ بھی ساز و سامان وہاں نظر نہیں آرہا تھا... دوسرے کمرے کا دروازہ بند تھا... اور کسی بچے کے آہستہ آواز میں باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی... ایسے میں میں نے پوچھ لیا:

''رات یہاں سے کیسی آواز آرہی تھی... اب تو نہیں آرہی۔''

''اچھا وہ... دراصل میں قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا تھا... کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا...۔''

''نہیں... ماں باپ نے پڑھایا ہی نہیں... بس سکول اور کالج کی تعلیم پر زور تھا ان کا... وہ میں نے حاصل کی ہے... اور خوب حاصل کی ہے... میں ایک انجینئر بننے والا تھا... لیکن...'' میں نے اسے بتایا۔

''بننے والے تھے تو پھر بنے کیوں نہیں۔''

''بس! میرے ساتھ ایک سانحہ پیش آگیا... اس سانحے نے مجھے درہم برہم کر دیا... مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہ گیا تھا... اور میں اپنا انجینئرنگ کا خواب بھی پورا نہ کر سکا۔''

''اوہو... یہی تو میں پوچھ رہا ہوں... آخر کیوں... وہ سانحہ کیا تھا۔''

''وہ سانحہ سیما کی موت تھا...''

''سیما... کون سیما...''

''سیما سے میری شادی ہونے والی تھی... وہ مجھ سے بے تحاشا محبت کرتی تھی اور میں بھی اس پر جان دیتا تھا... ہم دونوں کے عشق نے ہمیں دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا... ہم اپنی دنیا میں... رومان کی دنیا میں... جہاں کیف ہی کیف ہوتا ہے... گم تھے... ہمیں اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں تھا... لیکن اچانک سب کچھ ختم ہو گیا... کار کے حادثے نے میرا سب کچھ چھین لیا... اس دن سے میں سڑکوں

اور جنگلوں میں پھرتا رہتا ہوں... کسی چیز میں دل نہیں لگتا... میری حالت پاگلوں جیسی ہے...''

''اور یہ سب کس نے کیا... کس کی وجہ سے ہوا... کبھی سوچا؟'' اس نے عجیب بات کہی۔

''کس نے کیا... کس کی وجہ سے ہوا... کیا مطلب... میں نے بتایا تو ہے.. کار کے حادثے کی وجہ سے ہوا..''

''اور کار کا حادثہ کیوں ہوا...''

''وہ... ایک اتفاق تھا... سیما کی کار کی رفتار بہت تیز تھی... سامنے سے آنے والی کار بھی بہت تیز آرہی تھی... بس اس سے بچنے کے سلسلے میں گاڑی سیما کے کنٹرول سے باہر ہو گئی اور ایک درخت سے جا ٹکرائی۔''

''میں نے پوچھا تھا... گاڑی درخت سے کیوں ٹکرائی؟''

''آپ... آپ عجیب آدمی ہیں... بس سٹیرنگ پر قابو نہ رہا... اور کار درخت سے ٹکرا گئی۔''

''اور سٹیرنگ پر قابو کیوں نہ رہا؟''

''آپ کیسی باتیں پوچھ رہے ہیں... یہ بھی کوئی پوچھنے کی باتیں ہیں۔''

''ہاں! یہی تو پوچھنے کی باتیں ہیں... اچھا یہ بتائیں... آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے... یا کس سے تھی۔''

''مجھے... ظاہر ہے... سیما سے محبت تھی... محبت ہے اور رہے گی... اس سے زیادہ محبت بھلا اور کسی سے کیا ہوگی... وہی میری محبت کا مرکز تھی... اس کے سوا تو مجھے پوری کائنات میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔''

''تب پھر رات کیوں میری آواز کی طرف متوجہ ہو گئے تھے... کیا ہو گیا تھا تمہیں... کس چیز نے روک لیے تھے تمہارے پاؤں... بولو۔'' ٹھہری ہوئی آواز نے مجھے ہلا دیا۔

''ہاں... وہ... اس پر مجھے بھی حیرت ہوئی تھی... مجھے تو سیما کی آواز کے سوا کسی کی آواز روک ہی نہیں سکتی تھی... پھر آپ کی آواز میں وہ کیا جادو تھا کہ میرے قدم رک گئے... میں یہیں ٹھہر گیا... اور زمین پر گر کر سو گیا... میں اب تک نہیں سمجھ سکا... مجھے کیا ہو گیا تھا...''

''میں بتاتا ہوں... لیکن نہیں... پہلے مجھے بتاؤ... کیا تمہیں اپنی ماں سے محبت نہیں، اپنے باپ سے محبت نہیں... اپنے بہن بھائیوں سے محبت نہیں...''

''کیوں نہیں ہے... مجھے ان سے بھی محبت ہے... لیکن...''

''ہاں ہاں... کہو... رک کیوں گئے۔''

''جو محبت مجھے سیما سے ہے... دنیا کی اور کسی ہستی سے نہیں ہے۔''

''تب پھر میری آواز نے تمہیں کیوں روک لیا.. اس کا جواب دو۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولے۔

''آپ کی آواز... نہیں... آپ کی آواز نے نہیں... جو آپ پڑھ رہے تھے۔ یعنی قرآن کریم... اس کے الفاظ نے مجھے روک لیا تھا.. اگرچہ میں عربی نہیں جانتا... بچپن میں یا بڑے ہونے پر میں نے قرآن مجید پڑھا بھی نہیں... لیکن اس کے باوجود... ان الفاظ میں کیا تھا کہ میں رک گیا... اور سننے لگا اور پھر مجھے نیند آ گئی...''

''اچھا ٹھہرو... میں تمہیں پھر کچھ آیات سناتا ہوں... غور سے سنو اور سننے کے بعد مجھے بتانا... اب تم نے کیا محسوس کیا ہے۔''

''اچھا... سنائیے۔''

بوڑھا قرآن پڑھنے لگا... مجھ پر پھر وہی کیفیت طاری ہونے لگی... حد درجے سکون ملنے لگا... آخر تلاوت رک گئی... میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولا:

''رک کیوں گئے... پڑھتے رہیے نا۔''

''تم جانتے ہو... یہ کس کا کلام ہے؟''

''یہ اللہ کا کلام ہے۔''

''پھر آپ نماز میں بھی تو یہی کلام سنتے رہے ہیں۔''

''نہیں۔'' میں بول اٹھا۔

''کیا نہیں۔''

''میں نے... میں نے آج تک نماز نہیں پڑھی... مجھے تو نماز پڑھنا آتا ہی نہیں... کسی نے سکھائی ہی نہیں... بچپن میں شاید سکھائی بھی ہوگی تو کسی نے نماز پڑھنے کے لیے کہا ہی نہیں۔''

''اُف مالک... تمہیں پتا ہے... اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیوں پیدا کیا ہے...''

''م... مجھے... مجھے نہیں معلوم...''

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے... لیکن یوں بات نہیں بنے گی... اب تمہارے پاس وقت ہونا چاہیے... سننے کا... جاننے کا... جس کلام نے تمہیں سکون بخشا... کیا تم اس کلام والے کی بات سننا پسند کرو گے۔''

''ہاں! میں سنوں گا... کیونکہ جب سے میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہوں... سکون پہلی بار محسوس ہوا ہے۔''

''اچھی بات ہے... تب پھر آرام سے بیٹھ جاؤ... میں شروع کرتا ہوں... لیکن مجھے سب سے زیادہ محبت سیما سے تھی... ہے اور رہے گی... اب میں مرتے دم تک اسی کا نام جپوں گا... وہی میری زندگی کا محور ہے... میں اس محور سے کبھی نہیں نکل سکوں گا... نہ مجھے نکلنے کی خواہش ہے... میں اس کا نام لیتے ہوئے جان دے دوں گا۔''

''تب پھر...'' بوڑھا کہتے کہتے رک گیا... ساتھ ہی اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سختی کے آثار چھا گئے... اس سختی نے لمحے بھر کے لیے مجھے پریشان کر دیا... لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سختی غائب ہو چکی تھی اور اس کی جگہ نرمی نے لے لی تھی...

''تب پھر کیا؟''

''یہ نام جپنا... اس کی محبت کو محور بنائے رکھنا تمہیں سکون کیوں نہیں دے رہا۔''

''اس لیے کہ وہ مر گئی ہے... مجھ سے جدا ہو گئی ہے... مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے... سکون تو تب ملتا... جب وہ مجھے مل جاتی۔''

''میں ایک بار پھر یہی کہوں گا... تب پھر...؟'' بوڑھے نے کہا۔

''تو آگے بھی کہیے نا... کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''تب پھر قرآن کریم کی آیات سن کر تم نے سکون کیوں محسوس کیا؟''

''ہاں! یہ بات میرے لیے عجیب ہے۔''

''اور تم دوبارہ آیات سن کر تجربہ کر چکے ہو... تمہیں پھر سکون کا احساس ہوا تھا۔''

''ہاں! میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔''

''لیکن... تمہاری زندگی کا محور تو سیما ہے... اور وہ تم سے جدا ہو گئی ہے... تمہیں تو پھر سکون محسوس نہیں ہونا چاہیے۔''

''کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' میں چونک اٹھا۔

"یہ کہ تمہاری زندگی کا محور کوئی اور ہے۔"

"اور... اور وہ کون ہے۔"

"جس کا کلام سن کر تم نے سکون محسوس کیا... وہ ایک اللہ جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا... وہی ہم سب کی محبت کا محور ہے۔"

"لیکن کیسے... یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اچھا تو پھر تم آج رات آرام کرو... میں تمہیں ایک عالم دین کے پاس لے جاؤں گا... انہیں تمہاری ساری کہانی سناؤں گا... وہ اس بات کی وضاحت بخوبی کر سکیں گے... کیونکہ ایک عالم میں اور غیر عالم میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے..."

"ہم... ہم اسی وقت کیوں نہ چلیں۔"

"اس وقت... جانتے ہو... رات کے دو بج رہے ہیں... اور ہوسکتا ہے، یہ وقت ان کے آرام کا ہو... ہم انہیں بے آرام نہ کر دیں..."

"اچھی بات ہے... ہم صبح چلیں گے... میں جاننا چاہتا ہوں... قرآن کریم کی آیات سن کر میں نے سکون کیوں محسوس کیا ہے..."

"ٹھیک ہے... تمہیں بھوک تو لگی ہوگی... میرے ہاں روکھا سوکھا کھانا مل سکے گا..."

"میں... کھالوں گا... ویسے تو اب مجھے کھانے پینے کا ہوش ہی نہیں رہ گیا... کسی نے کھانا سامنے کر دیا تو کھا لیتا ہوں... ورنہ بھوکے پیاسے ہی نہ جانے کتنا وقت گزر جاتا ہے... گھر والوں نے بھی تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا ہے۔"

"اچھی بات ہے... میں کھانا لاتا ہوں۔"

جلد ہی وہ ایک تھال میں سالن اور دو روٹیاں لے آیا... آلو کا سالن تھا... اور شوربا پانی جیسا تھا... لیکن عجیب بات ہے... مجھے اس کھانے میں حد درجے مزہ آیا... میں حیران ہو رہا تھا اور کھا رہا تھا... اس سالن میں گوشت بھی نہیں تھا... پھر بھی وہ اچھا لگ رہا تھا... جب کہ میں ہمیشہ مرغن کھانے کھاتا رہا تھا...

دوسرے دن صبح سویرے وہ مجھے اپنے ساتھ شہر لے آئے... ایک بڑی سی مسجد میں ہم نے فجر کی نماز ادا کی... پھر اسی مسجد کے حجرے میں وہ مجھے لے آئے... وہاں وہی مولانا گاؤ تکیے سے ٹیک

لگائے بیٹھے تھے جنہوں نے نماز پڑھائی تھی... نماز کے دوران ان کی قرأت میں بھی میں ڈوب گیا تھا... نہ جانے ایک ہی رات میں مجھے کیا ہوگیا تھا...

اس نے میرا تعارف ان مولانا سے کرایا... انہوں نے محبت بھرے انداز میں مجھ سے مصافحہ کیا، پھر پاس بٹھایا... بوڑھا بھی بیٹھ گیا... اب اس نے انہیں میری کہانی سنائی... اس دوران میں حجرے کا جائزہ لیتا رہا... حجرہ کیا تھا... اسلامی کتابوں کی ایک خوب صورت لائبریری تھی... کتابوں کے لیے دیوار گیر ریک لگوائے گئے تھے... ان میں کتابیں خاص ترتیب سے لگائی گئی تھیں...

ان مولانا کا نام عبدالکریم تھا... وہ اس مسجد کے خطیب بھی تھے... عالم فاضل تھے... انہوں نے میری کہانی بہت غور سے سنی... کہانی ختم ہوگئی تو بوڑھے صاحب نے کہا:

"اب میں انہیں آپ کے پاس لایا ہوں... یہ اپنی سیما کی محبت ہی کو سب کچھ خیال کرتے ہیں... اسی کی محبت میں باقی دن گزارنا چاہتے ہیں... اور چاہتے ہیں... مرتے دم بھی اسی کا نام ان کی زبان پر ہو... اسی لیے میں آپ کے پاس لے آیا ہوں... آپ ہی انہیں بہتر طور پر محبت کا مفہوم سمجھا سکتے ہیں... آپ ہی اس موضوع سے انصاف کر سکتے ہیں... یہ کام میرے بس کا نہیں تھا..."

"میں سمجھ گیا... آپ انہیں درست جگہ پر لائے ہیں... سیما صاحبہ وفات پا چکی ہیں... وہ اب دنیا میں نہیں آئیں گی... وفات نہ پاجاتیں اور دنیا ہی میں موجود ہوتیں، تب بھی مجھے یہی کچھ کہنا پڑتا... جو میں اب کہوں گا... یعنی اس سے کوئی فرق نہیں پڑا... سب سے پہلے ہم ناشتا کریں گے۔"

وہاں بھی سادہ ناشتا لگا دیا گیا... لیکن کھانے میں وہ بھی کم مزے دار نہیں تھا... طبیعت میں ہلکے پن کا احساس ہوا... آخر ہم فارغ ہوگئے... میں نے ان کا شکریہ ادا کیا:

"شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیے... آپ کی وجہ سے مجھے مہمان نوازی کا ثواب مل گیا... اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں... پہلے میں ایک مختصر سا جائزہ پیش کرتا ہوں... آپ غور سے سنیں... جہاں کوئی الجھن محسوس کریں... یا سوال پوچھنے کی ضرورت محسوس کریں... بلا تکلف پوچھ سکتے ہیں... اب سنیے!

"اس میں شک نہیں کہ محبت زندگی کی اساس ہے... اس کائنات کا جوہر محبت ہی ہے... محبت ہی عبادت کی جان ہے اور محبت ہی انسانوں کے باہمی تعلق کی بنیاد ہے... محبت ہی انسانوں کے درمیان ربط کا ذریعہ ہے... اور بعض تو یوں کہتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں ہونے والی ہر حرکت

محبت ہی کے سبب ہے۔"

"بہت خوب! آپ تو میرے دل کو بھانے والی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ان شاء اللہ! میری باتیں آپ کے دل کی آواز بنیں گی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا... محبت کے آثار سارے آفاق میں پھیلے ہوئے ہیں اور اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ محبت ہی وجود کا راز ہے... انسانوں کا اپنے اردگرد کے ماحول سے تعلق محبت ہی کی بنیاد پر ہے، ہماری زندگی محبت ہی سے رواں دواں ہے... محبت ہی انسانوں کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اپنے تمام کام پورے خلوص اور خوبی سے انجام دیں... لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیا ہے... اس کا صحیح مطلب کیا ہے، محبت کی کتنی قسمیں ہیں۔"

"کیا فرمایا آپ نے... محبت کی قسمیں... بھلا محبت کی بھی قسمیں ہو سکتی ہیں؟" میں نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں بالکل! محبت کی کئی قسمیں ہیں... مثلاً اللہ تعالیٰ سے محبت... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اللہ کے بندوں سے محبت، اپنے ماں باپ سے محبت... اپنے بیوی بچوں سے محبت... پڑوسیوں سے محبت، رشتے داروں سے محبت... تمام مسلمانوں سے محبت... دیکھیے... کتنی قسمیں سامنے آ گئیں محبت کی۔

"لیکن... آپ نے اس محبت کا ذکر نہیں کیا... جو میں نے کی ہے... جو سیما نے مجھ سے کی ہے... میرے نزدیک تو یہ محبت نہیں تو اس دنیا میں کچھ بھی نہیں..." میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ میری بات سن کر وہ مسکرائے... پھر بولے:

"ہاں! اس میں شک نہیں، محبت کی ایک قسم یہ بھی ہے اور اسی قسم نے تو ہمیں یہاں جمع ہونے پر مجبور کیا ہے... لہٰذا اس قسم پر بھی بات ہوگی... آپ پریشان نہ ہوں... ہم آپ کے دوست ہیں... ہمدرد ہیں۔"

"اس میں مجھے شک نہیں۔"

"خیر... سب سے پہلے ہمیں جاننا چاہیے کہ محبت کا مطلب کیا ہے، یعنی اس کا لغوی معنی کیا ہے... محبت نام ہے اس رجحان کا اور میلان کا جو ایک فریفتہ دل میں ہمیشہ قائم رہتا ہے... یا پھر محبوب کی ہر خواہش کو پورا کرنے کا نام محبت ہے اور یہ کہ محبوب کو ہر سانس کے ساتھ یاد کیا جائے... انتہا یہ کہ محبت کرنے والا محبوب میں فنا ہو جائے..."

"ان سب باتوں کو تو میرا دل مانتا ہے... آپ نے محبت کا مفہوم میرے جذبات و احساسات کے عین مطابق بتایا... اور میں اس وقت بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے! اب باری آتی ہے، محبت کے درجات کی... پہلا درجہ یہ ہے کہ دیکھنے والا کسی صورت کو خوب صورت خیال کرے یا اس کے اخلاق و عادات کو اچھا خیال کرے۔ یہ درجہ استحصان کہلاتا ہے۔"

"یہ تو ایسا لگتا ہے... جیسے آپ مجھے سبق پڑھا رہے ہیں۔" میں نے قدرے الجھن محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"آپ اسے سبق کہہ سکتے ہیں..." وہ مسکرا دیے۔

"لیکن آپ یہ سب کچھ زبانی کیسے بتا رہے ہیں..."

"یہ میرا موضوع ہے... اسی لیے تو آپ کے پہلے میزبان آپ کو میرے پاس لائے ہیں... دراصل میں اس میدان کا ماہر خیال کیا جاتا ہوں... اس موضوع پر گھنٹوں بات کر سکتا ہوں... نوجوانوں کو لے کر بیٹھ جانا اور اس موضوع پر سیر حاصل بات کرنا میرا کام ہے... لہٰذا آپ تعجب نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے... آگے چلیے۔" میں مسکرا دیا... الجھن جو دور ہو گئی تھی۔

"دوسرا درجہ یہ ہے کہ دیکھنے والا اس خوب صورت چیز یا شخص کے قرب کا خواہش مند ہو... اس درجے کو اعجاب کہتے ہیں... اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات دل میں اس کا تصور رہے... آپ اسے عشق کہہ لیں... اس درجے کو کلف کہتے ہیں... ایک چوتھا درجہ ہے، یہ کہ کھانا پینا اور سونا تقریباً ختم ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں بیماری لاحق ہو جائے، تو نوبت جنون تک پہنچ جائے اور موت تک واقع ہو جائے... یہ محبت کا انتہائی درجہ ہے۔"

"بالکل... میں اسی درجے تک پہنچا ہوا ہوں... میری حالت پاگلوں کی سی ہے۔" میں جلدی سے بول پڑا... مولانا میری بات سن کر مسکرا دیے... پھر بولے:

"میں سمجھتا ہوں... اب تو آپ بوریت محسوس نہیں کر رہے؟" انہوں نے کہا۔

"بالکل نہیں... اب تو مجھ پر جوش سوار ہو گیا ہے۔"

"تو پھر سنیے! محبت کے تمام انداز ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں... اس کی نشانی یہ ہے کہ محبوب سے رغبت ہو جاتی ہے... جیسا کہ آپ نے سیما صاحبہ سے محسوس کی... محبوب کی مخالفت

بڑی لگتی ہے... ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب سے بدلے میں کچھ چاہتا ہے... بس ایک محبت ایسی ہے... جس کا واحد مقصد اللہ رب العزت کی رضا اور خوش نودی کا حصول ہے۔"

"جی کیا مطلب... یہ کیا کہا آپ نے۔" میں چونکا۔

•●•

آٹھواں باب

وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیے... پھر ان کی پر سکون اور ٹھہری ہوئی آواز میرے دل میں اترنے لگی:

"میں نے وہ کہا... جو مجھے کہنا چاہیے... اسی طرف تو آپ کو لانا ہے۔" وہ مسکرا دیے۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں وضاحت کرتا ہوں... اللہ تعالیٰ کا محبوب وہی بندہ ہو سکتا ہے جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے... یعنی اللہ کی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں۔ ہم جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں... اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے... بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے محبت ہے... اگر کسی اور سے ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو... اصل میں کامل محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے محبت کی جائے، کیونکہ جب تک کسی اور کی طرف توجہ رہے گی ...دل کا کوئی نہ کوئی گوشہ غیر اللہ کی طرف متوجہ رہے گا... جتنا کوئی غیر اللہ کی محبت میں مبتلا رہے گا، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی ہو جائے گی... آپ اپنی مثال لے لیں... جب تک آپ سیما صاحبہ کی محبت میں ڈوبے رہے، آپ کو اللہ تعالیٰ کا خیال تک نہ آیا... جب سیما صاحبہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں تو اللہ کے کلام نے آپ کے پاؤں روک لیے... ان کی موجودگی میں شاید آپ اللہ کا کلام سن کر بھی نہ رکتے... لیکن محبت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان کو اپنے اللہ سے اتنی محبت ہو کہ کسی اور سے ہو ہی نہ... ہاں اللہ تعالیٰ کے بعد جس جس سے محبت ہو... وہ محبت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

دیکھیے! محبت کی ابتدا مذاق اور دل لگی سے ہوتی ہے مگر اس کی انتہا با مقصد ہوتی ہے... اور حقیقت اس کی اس قدر دقیق اور پے چیدہ ہوتی ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ تجربے اور مشاہدے کی بات ہے... دین اور شریعت میں یہ کوئی بڑی چیز نہیں، کیونکہ دل تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں

ہوتے ہیں... محبت میں سب سے افضل بات یہ ہے کہ انسان پاک باز رہے، گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکے... اپنے خالق و مالک کی طرف سے ملنے والی جنت سے خود کو محروم نہ کرے... بے پناہ احسان کرنے والے پروردگار کی نافرمانی نہ کرے... یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے ہمیں اوامر اور نواہی پر مشتمل اپنی ہدایت کے قابل سمجھا۔ ہماری طرف رسول بھیجے اور ہمیں اپنے مقدس کلام سے نوازا۔

سچ یہ ہے کہ ہمیں پیدا فرمانے والا ربِ ذوالجلال سب حسینوں سے بڑھ کر حسین ہے... اس جیسا حسین کوئی نہیں... یہ اسی کے بے مثل حسن کی ادنیٰ سی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے اس کائنات کی تخلیق کی... اس کے گوشے گوشے کو حسن و جمال بخشا... آپ دیکھتے نہیں... ہمارے چاروں طرف حسن کے جلوے موجود ہیں... یہاں چاند ستاروں سے سجا آسمان ہے۔ کہیں جھومتے ہوئے سر سبز جنگل ہیں... کہیں پھول ہیں، کہیں تتلیاں ہیں... کہیں جگنو ہیں... یہ خوب صورت کائنات بنا کر رب العزت نے انسان کے دل کو نظر کو ذوق جمال بخشا... حقیقت یہ ہے کہ انسان کو جمال آشنا نظر اور محبت بھرا دل دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ ربِ جمیل ہی سے محبت کرے... اور اسی کی بارگاہ میں اپنی پیشانی جھکائے... دین سراسر محبت ہی کا نام ہے... اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرنا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجے محبت کرتے ہوئے اپنے دل و دماغ اور بدن کا ایک ایک حصہ آپ کی اطاعت میں لگا دینا اور تمام مسلمانوں کے لیے محبت اور خیر خواہی کا جذبہ رکھنا ہی دین کا مقصد ہے۔

"محبت نہایت بیش بہا فطری جذبہ ہے... یہ جذبہ دبایا بھی جاسکتا ہے اور اس کا رخ بھی موڑا جاسکتا ہے... آپ نے سنا... میں نے کیا کہا..." یہاں تک کہنے کے بعد وہ ایک جھٹکے سے رک گئے اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"آپ نے کہا ہے... محبت ایک ایسا جذبہ ہے... جسے دبایا بھی جاسکتا ہے اور اس کا رخ بھی موڑا جاسکتا ہے... اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ انسان میں اس لیے پیدا فرمایا کہ انسان زندگی کے اندھیروں سے محبت کی روشنی کی طرف نکل آئیں... وہ زمانے کے طوفانوں میں ثابت قدم رہیں... اپنے فرائض کو پوری دل جمعی اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں... یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی ہی ذات کو محبت کا مرکز ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ ایمان والے لوگ وہی ہیں جو میرے

ہی جمال بے مثال پر ریجھ گئے اور سب سے زیادہ مجھی سے محبت کرتے ہیں۔

محبت کا یہ اعلان جب ہمارے اسلاف نے سنا تو وہ ہر طرف سے کٹ کر محبوبِ حقیقی ہی کے ہوگئے... آپ سن رہے ہیں... میں کیا کہہ رہا ہوں۔" عبدالکریم یک دم بولے۔

"آپ نے فرمایا ہے کہ جب ہمارے بزرگانِ دین نے اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان سنا کہ محبت کے قابل ذات تو بس اللہ تعالیٰ ہی کی ہے... وہی محبت کا مرکزِ اصل ہے تو وہ تمام دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے ہوگئے، یعنی بس ایک اللہ کی محبت انہوں نے اپنے دل میں بسالی... کیا میں نے آپ کے الفاظ کی درست ترجمانی کی؟" یہ کہتے ہوئے میں مسکرایا۔

"بالکل ٹھیک ہے... اس کا مطلب ہے... تم میری بات کو بہت غور سے سن اور سمجھ رہے ہو..."

"جی ہاں بالکل... بات دراصل یہ ہے کہ جب سے میں نے قرآنِ کریم کی آیات کو سنا ہے... اس وقت سے سکون ہی سکون محسوس کر رہا ہوں... یہ سکون ہی تو مجھ سے چھن گیا تھا... لہٰذا میں آپ کی باتیں غور سے نہ سنوں تو کیا کروں۔"

"بہت خوب! اب میں مطمئن ہوں کہ میری محنت رائگاں نہیں جائے گی... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے اسلاف ہر طرف سے کٹ کر محبوبِ حقیقی ہی کے ہوگئے... یعنی اس سے محبت کرنے لگے۔ اور جب وہ اللہ کے ہوگئے تو اللہ بھی ان کا ہوگیا... یوں ان کی دنیا بدل گئی... ان کی راتیں اللہ کی یاد میں بسر ہونے لگیں... دن میں وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر میدانِ جہاد میں فتوحات کے جھنڈے گاڑنے لگے کہ دراصل جہاد اللہ تعالیٰ کی محبت ہی میں کیا جاتا ہے... پھر کیا ہوا، اللہ کی محبت نے انہیں وہ قوت عطا کی ... وہ صلاحیت، وہ دلیری اور دانائی عطا کی ساری دنیا ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے گونجنے لگی۔ وہ صحرائے عرب سے فتح کے پرچم لہراتے نکلے تو یورپ، سپین، ایشیا، سمرقند کاشغر اور قدیم ہندوستان کے شہر ملتان تک پہنچ گئے۔

ان کے مقابلے میں ذرا غور کریں... آج ہماری کیا حالت ہے... افسوس! ہمارے دل اپنے خالق و مالک کی یاد سے خالی ہوگئے... ہمارا محبوب، معبود، مسجود و مقصود ہی بدل گیا، ہم ربِ دو جہاں کے بجائے دولت، حکومت اور عورت کے پجاری بن گئے... بُرے اعمال کا طوفان اٹھا تو نتائج کا رخ ہی بدل گیا... کل تک ہماری فتوحات کا ڈنکا بج رہا تھا... ہماری فتوحات کا سیلِ رواں کسی کے روکے رک نہیں

رہا تھا، فتوحات کے آگے باندھے جانے والا ہر بند خس وخاشاک کی طرح اڑتا جا رہا تھا... آج ہم خود اپنے گھر کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے... طاغوتی طاقتیں ہماری بستیوں میں آ گھسی ہیں... آتش و آہن کی بارشیں ہو رہی ہیں۔ ظلم وستم کے شعلے بھڑک رہے ہیں... ہمارے گھر سلگ رہے ہیں... ہمارے کلمہ گو بھائیوں، بہنوں اور بچوں کو قتل کیا جا رہا ہے... غرض مسلمانوں کے لیے تو کوئی جائے امن نہیں... ہر جگہ مسلمان مار کھا رہے ہیں... یہ سب کچھ کیا ہے... صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے بے وفائی کا نتیجہ ہے... ہم نے اللہ کی محبت کو چھوڑا... اللہ نے ہمیں چھوڑ دیا... جب تک ہم اللہ کے رہے، اللہ ہمارا رہا...

افسوس! نوجوان اس معاملے میں سب سے آگے نکل گئے... کبھی تاریخ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، طارق بن زیاد، محمد بن قاسم اور عقبہ بن نافع جیسے نام گونجتے تھے... ان حضرات نے اور ان جیسے اور بہت سے مجاہدین نے باطل کی فوجوں کو روند ڈالا تھا۔ اب ذرا آج کے نوجوانوں کی حالت پر غور کریں... کیا یہ باطل طاقتوں سے لڑ سکتے ہیں... یہ تو اپنے نفس سے نہیں لڑ سکتے... نفس کے مطالبات پورے کرتے نظر آتے ہیں اور بس... آج کے نوجوان تو اپنی تاریخ سے بے خبر ہیں... اپنی تہذیب سے ناواقف ہیں... اپنے علوم اور اپنی اعلیٰ اقدار کا انہیں علم ہی نہیں... ان کی روحیں بیمار ہیں، چہرے بے نور ہیں... رخسار پچکے ہوئے ہیں تو آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں... ان کے بازو شل ہیں... اور حوصلے پست ہیں... ان کی اکثریت نفسانی محبت میں گرفتار ہے... جیسا کہ آپ میرے عزیز۔'' عبدالکریم کا لہجہ ان الفاظ کے ساتھ ہی گہرے دکھ میں ڈوب گیا... چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوئے:

''یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ قوموں کے مستقبل کی باگ ڈور نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے... اب اگر نوجوان ہی کمزور ہو جائیں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل میں اندھے ہو جائیں تو دشمن طاقتوں کے مقابلے میں کون کھڑا رہے گا... یہ صورتِ حال انتہائی تشویش ناک ہے... سچے مسلمانوں کی تڑپ یہ ہونی چاہیے کہ نوجوان نسل قرآن وسنت کی شاہ راہ پر گامزن ہو جائے... ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد قرآن وسنت سے راہنمائی لے... قرآن وسنت اس موضوع پر کیا کہتے ہیں... میرے عزیز... میں آپ کو بس یہ بتانا چاہتا ہوں... یہ موضوع کچھ طویل ہے... اور ہمیں اس میں کچھ وقت صرف کرنا ہوگا... اس کے لیے ضروری ہے کہ تم پوری رغبت سے سننے کے لیے تیار ہو... ورنہ میری بات چیت کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔'' عبدالکریم ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

''آپ مطمئن رہیں... میری پوری توجہ آپ پر مرکوز ہے۔''

''شکریہ! تو پھر سنیے! محبت میں سب سے افضل بات یہ ہے کہ انسان پاک باز رہے، گناہ کے ارتکاب سے بچے، کسی نے امام ابن جوزی رحمۃ اللہ سے پوچھا:

''اگر کسی شخص کو کسی بہت ہی بہت خوب صورت دوشیزہ سے عشق ہو جائے تو کیا وہ اس کے منہ، رخسار یا آنکھوں کو بوسہ دے سکتا ہے... یا اس سے گلے مل سکتا ہے جب کہ اس کے دل میں بدکاری کا تصور موجود نہ ہو۔''

امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''یہ تمام چیزیں ہماری شریعت میں حرام ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد شہوت ہے... لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عشق کی بلا سے نجات کی دعا کرے... تاکہ عشق کے عذاب سے بچ سکے... صبر سے کام لے اور اپنے عشق کا اظہار نہ کرے، اس کے ساتھ ساتھ پاک باز بھی رہے۔ اگر پاک بازی اور صبر کی حالت میں اسے موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے... اور اسی طرح کی نعمتیں اسے جنت میں عطا کریں گے۔''

علامہ کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اصل محبت ذاتِ باری تعالیٰ سے محبت ہے... اس میں کسی اور چیز کا شائبہ تک نہ ہو۔ یہی محبت تمام قسموں کی محبت کی بنیاد ہے... دو آدمیوں کے درمیان محبت کی بنیاد ان میں خیالات کی ہم آہنگی ہے یا پھر ذاتی مناسبت کی وجہ سے محبت ہوتی ہے... ایک اور وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان دونوں میں کوئی صفت، حالت یا عادت مشترک ہو۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محبت میں ایسی مٹھاس ہے جو نفس کی کڑواہٹ کو ختم کر دیتی ہے۔''

علامہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مومن اپنے رب تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے... وہ اپنے رب سے محبت کرتا ہے تو اس کا رب اس سے محبت کرتا ہے... وہ اپنے مالک کی خاطر غصے میں آتا ہے تو اس کا مالک اس کی خاطر غصے میں آ جاتا ہے... اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مومنوں کو تکلیف نہ دو، جو انہیں تکلیف دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں ڈال دیتا ہے۔''

حضرت فتح موصلی رحمہ للہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی محبت پر اپنی محبت کو ترجیح دینا اس بات کی دلیل ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ اللہ سے محبت کرنے والا دنیا کی لذت نہیں پاتا اور ایک لمحے کے لیے بھی اللہ کی محبت سے غافل نہیں ہوتا۔''

حضرت عامر بن عبد قیس رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''میں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کی ہے جس نے میری ہر مصیبت آسان کر دی اور مجھے ہر حال میں راضی کر دیا۔ جب مجھے اس سے محبت ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں، میرے شام و سحر کس حال میں بسر ہوتے ہیں...''

امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محبت ایک عظیم خوبی ہے... اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے اس پر گواہ ہے... اس نے خود اپنے بندے سے محبت کی خبر دی ہے... اللہ تعالیٰ بھی محبت کرتا ہے اور بندہ بھی... دونوں ایک دوسرے کے محبوب ہیں۔''

حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محبت یہ ہے کہ تو اپنے کثیر کو قلیل اور اپنے محبوب کے قلیل کو کثیر سمجھے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ تُستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محبت یہ ہے کہ تو اپنے محبوب کی اطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لے اور اس کی مخالفت کو چھوڑ دے۔''

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''محبت یہ ہے کہ محبت کرنے والے میں اپنی صفات کے بجائے محبوب کی صفات پیدا ہو جائیں۔ مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ محبوب کا ذکر اس قدر غالب ہو کہ ہر وقت دل میں محبوب کی صفات ہی کا تذکرہ ہو اور اپنی صفات کی طرف کوئی دھیان ہی نہ ہو... نہ ان کا کوئی احساس ہو۔''

حضرت ابو علی روزباری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

''محبت موافقت اور ہم آہنگی کا نام ہے۔''

حضرت ابو عبداللہ قرشی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''محبت کی حقیقت دراصل یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب کے سپرد کر دے اور تیرے

پاس تیرے وجود کا کوئی حصہ باقی نہ رہے، قسم ہے، مالک حقیقی کی، یہی وہ خالص ایمان اور حقیقی تصوف ہے، جو نبوت کے صاف اور میٹھے چشمے سے پھوٹتا ہے۔''

تین صفات جب کسی شخص میں پیدا ہو جائیں تو وہ ایمان کی مٹھاس محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہ جس سے بھی محبت کرے، خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے اور تیسرے یہ کہ اسے آگ میں چھلانگ لگا دینا کفر کی طرف رخ کرنے سے زیادہ پسند ہو۔

یہاں ایک بات بر سبیل تذکرہ بتاتا چلوں... اگر چہ آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں... لیکن مستقبل میں ایسی بات آپ کے سامنے آسکتی ہے... اور وہ ہے تصوف۔ تصوف کا لفظی معنیٰ اپنے نفس کو دنیا کی خواہشات سے پاک کر لینا ہیں اور بس خدا کی طرف دھیان لگا دینا ہے... بات تو صرف اتنی ہے، لیکن تصوف کا دعویٰ کرنے والے بعض حضرات اس کے بارے میں مبالغے کی حد کو جا پہنچے اور شریعت سے دور جا پڑے۔ یعنی حد سے تجاوز کر گئے۔ ان کے نزدیک محبت طلسم اور جادو کی قسم کی کوئی چیز ہے... اس محبت کے انہوں نے عجیب و غریب درجات مقرر کر لیے ہیں... اس طرح وہ حقیقت کو چھوڑ کر رسوم کے پجاری بن گئے ہیں... اور اس محبت کے جوہر سے خالی ہو گئے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ کی محبت کے ذریعے وہ اس کی رضا حاصل کرتے اور جنت میں داخلے کے مستحق ٹھہرتے مگر بہت سے صوفیا اس کے بجائے صرف محبت کو مقصود سمجھ بیٹھے اور محبت ہی ان کی تمام کوششوں اور امیدوں کا مرکز بن گئی... اس طرح وہ اعمال چھوڑ بیٹھے اور محبت کا دعویٰ ان کے لیے شریعت کی پابندیوں سے فرار کا بہانہ بن گیا۔

اب یہاں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں... کہ فزیالوجی کے ماہرین نے محبت کی عجیب و غریب تشریح کی ہے۔ ان کے نزدیک محبت کی توجیہ یہ ہے کہ یہ ایک نفسیاتی تقاضا ہے جس کا تعلق چند جسمانی غدود سے ہے۔

یہ لوگ محبت کا تجزیہ ایک جسمانی عامل کے طور پر کرتے ہیں۔ اس نظریے کے قائل لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ فزیالوجی کے اصول انسان کے تمام روحانی مظاہر مثلاً محبت، کراہت، خودی اور جذبہ غیرت کی بھرپور تشریح کرتے ہیں۔

معاشرتی ماہرین کے نزدیک محبت ایک معاشرتی عمل ہے... یہ ہر شہری میں پایا جاتا ہے... کیونکہ وہ اکیلا نہیں رہ سکتا۔

یہ لوگ محبت کو ایک معاشرتی جذبہ سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اسی پر انسانی آبادی کا مدار ہے۔ وہ اسے ایک ایسا معاشرتی عمل قرار دیتے ہیں جس میں ایک فرد جماعت کے سامنے سپر انداز ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک محبت ایک حیوانی جذبہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اسے ایک نفسانی جذبہ قرار دیتے ہیں... اور یہ جذبہ علم الاحیا یا علم النفس کے موضوع میں شامل ہے۔

ان کے نزدیک محبت کا تعلق نکاح، نسب، وراثت، رشتے، خاندان اور اولاد وغیرہ سے ہے... اسی بنا پر انہوں نے محبت کو صرف افزائش نسل اور نوعِ انسانی کی بقا کا ذریعہ شمار کیا ہے... لیکن اس نظریے کے ماننے والے یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ ہر محبت کا انجام نکاح اور شادی نہیں ہوتا۔ اکثر اوقات محبت ایک طرفہ ہوتی ہے اور وہ اس معاشرتی مفہوم سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی... " یہاں تک کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گئے... میں اس وقت تک بہت گہری سوچ میں ڈوب چکا تھا... اور میرے دوست... تم سوچ رہے ہو گے، وہ تو خیر ایک عالم دین تھے... اس موضوع پر شاید گھنٹوں بات کر سکتے تھے... لیکن میں تو عالم نہیں ہوں... یہ ساری باتیں ان سے سن کر میں زبانی کیسے دہرا سکتا ہوں... یہ خیال آیا ہے نا تمہیں؟" یہ کہتے ہوئے یوسف سلیم مسکرا دیا۔

"اس میں شک نہیں... یہ بات میں نے سوچی تھی اور پوچھنا بھی چاہتا تھا... لیکن تم نے خود ہی سوال اٹھا دیا... لہٰذا اب جواب بھی خود ہی دو۔" حسن ادااس انداز میں مسکرایا۔

"ضرور... کیوں نہیں... اس میں مسئلہ یہ ہے کہ میں اس ایک ملاقات تک ہی ان کے ساتھ منسلک نہیں رہا... اس کے بعد تو پھر ان کا اور میرا ساتھ مستقل ہو گیا اور میں نے اس موضوع پر ان سے خوب باتیں کیں... نہ صرف باتیں کیں بلکہ ان باتوں کو ساتھ ساتھ نوٹ بھی کیا... اور پھر ان نوٹس کو میں نے بعد میں کتابی صورت بھی دی... لہٰذا میں اس کام کا اچھا بھلا ماہر خیال کیا جانے لگا ہوں... دوسرے یہ کہ اس وقت بھی میرے سامنے نوٹ بک موجود ہے... میں ساتھ ساتھ اس پر نظر ڈال لیتا ہوں... لہٰذا میرے اس بیان پر حیرت نہیں ہونی چاہیے۔"

"چلو! میں اب حیران نہیں ہوں گا۔" حسن پھر اداس انداز میں مسکرایا۔

"میرا خیال ہے، اب تم تھک گئے ہو گے... آرام کرتے ہیں... کل چھٹی کا دن ہے... صبح کی نماز کے بعد ہم اپنا موضوع پھر شروع کر لیں گے۔"

"میں تو خیر نہیں تھکا... ہاں تم اپنی کہو۔" حسن نے منہ بنایا۔

"میں نے اِس موضوع پر بات کرتے ہوئے کبھی تھکن محسوس نہیں کی..."

"تب پھر بات جاری رکھیے۔"

"اچھی بات ہے... اب میں آتا ہوں، محبت کی قسموں کی طرف۔"

"میں غور سے سن رہا ہوں۔"

اور ایک بار پھر یوسف سلیم کی محبت بھری آواز کمرے میں گونجنے لگی:

•●•

نواں باب

"جب کسی مشکل وقت میں بندہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوکر اسے پکارتا ہے تو وہ در حقیقت پروردگار کے ساتھ محبت کے اسباب کو مضبوط بناتا ہے۔اپنی دعا سے اپنے خالق اور مالک کی رضا کو جوش دلاتا ہے... ایسے میں وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔"

وہ اپنی محبت، اپنی اطاعت، عاجزی، قربت اور اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا اعلان کرتا ہے ...اور جب بندہ بار بار اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتا ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے اور یہ قرار کرتا ہے کہ اس کے خالق نے اس پر انعامات کی بارش کی ہے تو دراصل وہ اس کی محبت کا دم بھرتا ہے... اس کی تعریف کرتا ہے... وہ اسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے... اس کی اطاعت کرتا ہے... اس کا شکر ادا کرتا ہے... اور عبادت کا فریضہ احسن طریقے سے بجالاتا ہے۔

اور جناب! اللہ تعالیٰ کی محبت ایمان والوں کو آباد رکھتی ہے... وہ اللہ تعالیٰ سے قرب اور دنیا سے بے رغبتی کی صورت میں ایمان کی حلاوت محسوس کرتے ہیں... نافرمانی سے خود کو بچاتے ہیں... گناہوں کے پاس بھی نہیں بھٹکتے۔

تین چیزیں جس شخص میں پائی جاتی ہیں، وہ ایمان کی مٹھاس محسوکرنے لگتا ہے، ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے، اللہ کے لیے کرے... تیسرے یہ کہ کفر اختیار کرنے کو آگ میں کود پڑنے سے بھی زیادہ بُرا خیال کرے۔

ڈاکٹر عزت علی عطیہ نے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ کی محبت ہر بندے پر واجب ہے، اس کے کئی اسباب ہیں۔جس قدر اللہ کی محبت کسی شخص میں زیادہ ہوگی، اس کا ایمانی مرتبہ اتنا ہی بلند ہوگا... اور آخر کار اسے ایمان کی حلاوت محسوس

ہونے لگے گی۔"

استاد عبدالسلام شاذلی یہی بات اسی انداز میں بیان کرتے ہیں:

"جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مومن مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ایمان ان دلوں میں تعوذ نہیں کرسکتا جو ان ہستیوں کی محبت سے خالی ہوں، اور جو شخص ان ہستیوں سے محبت نہ رکھے، وہ اللہ کی رضا مندی کے میدان میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا، چنانچہ ضروری ہے کہ وہ ان کی محبت میں فنا ہوجائے اور کسی دوسری چیز کو ان پر ترجیح نہ دے۔"

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مراد عقلی محبت ہے، یعنی اس چیز کو ترجیح دی جائے جو عقل کا تقاضا ہو، چاہے وہ ذاتی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، بالکل اسی طرح جیسے ایک شخص طبعاً دوا سے نفرت کرتا ہے مگر عقلی تقاضے کو پیش نظر رکھ کر دوا کھالیتا ہے۔"

اور یوسف صاحب اس بات کو آپ یوں سمجھنے کی کوشش کریں، جب انسان غور وفکر کرتا ہے کہ اگر شریعت کسی چیز کا حکم دے، یا کسی کام سے روکے تو اس میں لازماً کوئی دنیوی یا اخروی فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ عقل طبعی طور پر مفید چیز کی طرف مائل ہوتی ہے تو وہ شریعت کی پابندی کا عادی بن جاتا ہے ،حتیٰ کہ اس کی خواہش شریعت کے طابع ہوجاتی ہے اور اس سے وہ بے پناہ تسکین محسوس کرتا ہے۔

اور جب کوئی بندہ اپنے رب تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنالیتا ہے اور اس کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور ذہن میں اس کی قبولیت پیدا کردیتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تو بھی اس سے محبت کر، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان والوں میں اعلان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو... تو آسمان والے بھی اس سے محبت شروع کردیتے ہیں پھر زمین والوں میں بھی اس کی مقبولیت پھیلادی جاتی ہے۔"

میرے عزیز! یہ بات جان لیں... کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہمارے نفس کو مہذب بناتی ہے ...ہماری روح کو سرشار کرتی ہے... ہمارے عزم میں پختگی لاتی ہے، ہمارے اوصاف کو پاکیزہ بناتی ہے... اسی لیے انسان ہر ایسے عمل کا خواہش مند ہوتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کردے... اور

وہ ہراس کام سے دور رہتا ہے جو اللہ رب العزت کی ناراضی کا سبب ہو... اور آخر کار اس طرح وہ اس فانی دنیا سے بے رغبت ہو جاتا ہے... اس کا ایمان آخرت پر بڑھ جاتا ہے۔ اس عارضی دنیا کے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا کے ثواب کا طلب گار بن جاتا ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا کام بتائیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ اور لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں۔'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

''دنیا سے بے رغبت ہو جا، اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگے گا اور لوگوں کے مال سے بے رغبت ہو جا، لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔''

اب یہ بات آپ کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئی ہوگی کہ جب بندہ اپنے رب تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اس کے ذکر سے بھی محبت کرتا ہے... اس کی عبادت باقاعدگی سے کرتا ہے، اس کی نافرمانی سے منہ موڑ لیتا ہے... ہر وقت، ہر لمحے اس کی فرماں برداری کرتا ہے... وہ ہر اس چیز کا متلاشی رہنے لگتا ہے جو اس کے رب کو پسند ہو... اس کا ظاہر اور باطن ایک ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے مخلص ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لیے، کسی سے بغض رکھتا ہے تو اللہ کے لیے، غرض کسی سے کسی بھی قسم کا تعلق رکھتا ہے تو صرف اللہ کے لیے رکھتا ہے... یہاں تک کہ اس کی کسی سے دشمنی بھی ہوگی تو وہ بھی بس اللہ کے لیے ہوگی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سب سے افضل کام یہ ہے کہ محبت کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اور ناراضی ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے۔
اور جب بندہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے...

یوسف سلیم کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اندرونی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی:

''معاف کرنا یار... میں ابھی آیا۔''

''کوئی بات نہیں...'' حسن مسکرا دیا... اس کی مسکراہٹ میں غمگینی کا عنصر اب کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔

یوسف اٹھ کر اندر چلا گیا... واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھانے کی چیزوں کی ٹرے تھی:

''لگتا ہے... آج ہمارے ساتھ میری اہلیہ بھی جاگ رہی ہیں... انہوں نے یہ چیزیں ہمارے لیے تیار کی ہیں...''

''انہوں نے زحمت کی۔''

''ارے نہیں... وہ ایسے کاموں میں راحت محسوس کرنے کی عادی ہیں... لو آؤ.. تم سنتے سنتے ضرور تھک گئے ہو گے۔''

''ایسا ہرگز نہیں۔'' حسن مسکرایا۔

''میں محسوس کر رہا ہوں، تمہاری مسکراہٹ سے اداسی کم ہوتی جا رہی ہے۔''

''اوہو... اچھا۔'' حسن کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں! واقعی۔''

پھر دونوں ٹرے کی طرف متوجہ ہو گئے... اس طرح کچھ دیر کے لیے ان کا موضوع رک گیا...

''اگر تم آرام کرنا پسند کرو تو بلا تکلف بتا دو... یہ باتیں تو ہم دن نکلنے پر بھی کر سکتے ہیں... جیسا کہ بتا چکا ہوں... کل چھٹی کا دن ہے۔''

''نہیں... میں تھکن محسوس نہیں کر رہا... اور نہ ابھی تک ایک بار بھی مجھے اونگھ آئی ہے... ہاں تم اپنی کہو۔''

''اس موضوع پر بات کرتے ہوئے مجھے نیند نہیں آتی۔''

''چلو... پھر شروع کرو۔''

اور یوسف سلیم ایک بار پھر کہنے لگا:

''میں کہہ رہا تھا، جب بندہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت اس کی اپنی ذات اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مقابلے میں بے وقعت ہو جاتی ہے اور نفس کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت میں بدل جاتی ہے... پھر یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت ہی کی وجہ سے کسی چیز سے محبت کرتا ہے اور اللہ کی محبت ہی کی وجہ سے کسی سے بغض رکھتا ہے۔

جو شخص محبت کرے تو اللہ کے لیے، بغض رکھے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، دے تو اللہ کے نام پر، نہ دے تو اللہ کی رضامندی کے لیے، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

یہاں تک کہہ کر یوسف سلیم خاموش ہو گیا۔ میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو

مسکرا کر بولا:

"میں سوچ رہا ہوں... کیوں نہ تمہیں بھی مولانا عبدالکریم صاحب سے ملوادیا جائے... ان کی زبان میں بہت اثر ہے... پھر جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو بس مزہ ہی آجاتا ہے... اس کے علاوہ اب احادیث کے الفاظ بھی آرہے ہیں... جب وہ احادیث پڑھ کر تمہیں سنائیں گے اور ترجمہ کریں گے تو بات ہی اور ہوگی۔"

"جیسے تمہاری مرضی... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"تب پھر ہم صبح ان کے پاس چلیں گے... یہ بات نہیں کہ میں تھک گیا ہوں... یا مزید بات جاری نہیں رکھ سکتا... ہرگز نہیں... لیکن اس موڑ پر آکر میں محسوس کررہا ہوں... میں وہ بات نہیں پیدا کرسکوں گا... جو مولانا عبدالکریم میں ہے۔"

"اچھی بات ہے... لیکن کیا وہ وقت دے سکیں گے۔" حسن بولا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو... میرا اب ان سے بہت گہرا تعلق ہے... اور وہ تو یوں بھی بہت مہربان اور ملنسار ہیں... ہم جیسے بھٹکے ہوئے ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے... ایسا ہی کرلیتے ہیں۔"

"بہت خوب... اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ بقیہ رات ہم آرام کرسکیں گے... تاکہ صبح کی نماز جماعت سے ادا کرسکیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی یوسف سلیم اٹھ کھڑا ہوا۔

• ● •

دسواں باب

حسن کی آنکھ کھلی تو یوسف سلیم اسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا:

"کک... کیا بات ہے... کیا ہوا؟"

"بھئی ہونا کیا ہے... اللہ تعالیٰ سے جن لوگوں کو محبت ہوتی ہے... وہ فجر کے وقت سوتے نہیں... اٹھ کر مسجدوں کا رخ کرتے ہیں۔"

"اوہ... اچھا۔"

دونوں نے وضو کیا اور مسجد میں نماز ادا کی... ناشتے کے بعد انہوں نے مولانا عبدالکریم کا رخ کیا... وہ یوسف کو دیکھتے ہی گرم جوشی سے ان کی طرف لپکے...

"آہا... میرے دوست... میرے بھائی... بہت دنوں بعد آنا ہوا۔"

"جی بس... کیا بتاؤں... خیر آپ ان سے ملیے... یہ ہیں حسن الطاف... میرے بچپن کے دوست... آج میں ان کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں، ایک دن تھا... آپ کے ایک عزیز مجھے آپ کے پاس لائے تھے۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے... یہ بات بھی کوئی بھولنے کی ہے بھلا۔" وہ مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ میں بہت شفقت تھی۔ پھر وہ بولے:

"ہاں تو ان کا کیا معاملہ ہے۔"

"یہ بھی بیمار عشق ہیں... لیکن ان کی کہانی قدرے مختلف ہے... تاہم موضوع وہی بنتا ہے... میں چاہتا ہوں... پہلے آپ ان کی کہانی سن لیں... اور پھر انہیں بھی وہی کچھ بتادیں... جو کچھ آپ نے مجھے بتایا تھا۔"

"اچھی بات ہے... پہلے کہانی سنائیں۔"

یوسف سلیم نے حسن کی کہانی سنادی... اس کے خاموش ہونے پر عبدالکریم بولے:

"ان کا مسئلہ آپ کی نسبت سنگین ہے... آپ جسے چاہتے تھے... وہ بے چاری تو ایک حادثے میں جاں بحق ہوگئی تھی... جب کہ یہ درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں، خیر اللہ بہتر کرے گا... پہلے تو انہیں قرآنِ کریم کی کچھ آیات سناتا ہوں۔"

اور پھر ان کی پرسوز آواز میں تلاوت شروع ہوگئی... دونوں تلاوت سنتے رہے... انہیں ایک عجیب قسم کا سکون محسوس ہوتا چلا گیا... یہاں تک کہ عبدالکریم خاموش ہوگئے... اس کے بعد انہوں نے یوسف سے پوچھا:

"آپ نے انہیں کیا کچھ بتایا... اب تک۔"

یوسف نے مختصر طور پر اس کی تفصیل بھی بیان کردی... اب عبدالکریم نے اپنا بیان شروع کیا ... ان کی آواز کانوں کے راستے ان کے دل و دماغ میں اترنے لگی... یہ بھی قرآنِ کریم کا خاص اعجاز ہے کہ عربی نہ جاننے والوں کے دلوں پر بھی اثر کرتا ہے... آخر انہوں نے تلاوت ختم کی پھر اپنے موضوع پر آتے ہوئے بولے:

"بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی کچھ علامات ہیں... جب کوئی شخص ان کو اپنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا شرف حاصل کرلیتا ہے... نتیجہ یہ کہ دنیا اور آخرت کی نیک بختی اس کا مقدر بنتی ہے... اب آپ وہ علامات جاننے کے لیے بے چین ہوگئے ہوں گے... یہی بات ہے نا۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرادیے۔

"جی ہاں! بالکل۔" حسن نے فوراً کہا۔

"تو سنیے، وہ علامات یہ ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپ سے جس شخص کو محبت ہوگی، اللہ تعالیٰ سے بھی اس کی محبت پختہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حکم فرماتا ہے... اور اللہ ہی نے آپ کی محبت کو اسلام اور ایمان کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے محبت ہونی چاہیے۔ فرشتوں سے محبت بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے

... اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی محبت کا حکم دیا ہے۔ قرآنِ کریم میں صراحت ہے کہ فرشتوں سے دشمنی رکھنا دراصل اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ جو ان سے دشمنی رکھے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مزہ چکھے گا۔

ہماری ساری کوشش اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی ہونی چاہیے۔ اللہ کے قرب میں نفس کا سکون ہے۔ دل کی راحت ہے... ایسا سرور ہے کہ کوئی سرور اس کی برابری نہیں کرسکتا... اب سوال یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا قرب کس طرح حاصل کرسکتے ہیں... تو سنیے... بندہ اطاعت، فرماں برداری، عبادت اور اللہ کے ذکر سے اللہ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی رکھتا ہے، اس سے میرا اعلان جنگ ہے... اور میرا بندہ کسی اور چیز سے میرا اتنا قرب حاصل نہیں کرسکتا جتنا فرائض کی ادائیگی سے حاصل کرسکتا ہے۔ نفلی عبادت کے ذریعے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کے قرب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس بندے سے محبت شروع کردیتے ہیں اور جس سے وہ محبت شروع کردیتے ہیں... پھر اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہ جاتی... پھر تو سب کچھ اسے خود بخود ملنے لگتا ہے... پھر بندہ جو اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے... وہ اسے مل جاتا ہے...

اور اللہ تعالیٰ کا قرب تبھی حاصل ہوسکتا ہے جب اس کی سچی اطاعت کی جائے... اپنے نفس کو اطاعت گزار بنایا جائے... اس سے مانگنے میں پوری عاجزی کی جائے... بس اس نکتے کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے... جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے... اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

اب کوئی دعویٰ تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا کرے، لیکن کرتا رہے اس کی نافرمانی، تو اس کا دعویٰ بے معنی ہوگا۔ محبت سچی ہوگی تو اللہ کی فرماں برداری ہر حال میں کرے گا... اس لیے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی اطاعت کیا کرتا ہے... پھر تجھ پر تو آئے دن اللہ تعالیٰ کی قسم قسم کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں... اور تو اس کا شکر بھی ادا نہیں کرتا تو یہ محبت پھر کیسی ہے۔

مومن اپنے رب سے محبت کرتا ہے تو اس کی نافرمانی سے توبہ کرلیتا ہے اور گناہوں سے باز آجاتا ہے... پھر اپنے رب کی بہت تعظیم کرتا ہے... اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے... زندگی کے آخری لمحات سے پہلے تک اس کی توبہ قبول کرتا ہے...

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص اپنے اونٹ پر سوار چلا جارہا ہے... اسے ایک صحرا عبور کرنا ہے... اس کا کھانا اور پانی وغیرہ سب کچھ اسی اونٹ پر لدا ہوا ہے... صحرا میں وہ کچھ دیر کے لیے

سواری سے اتر کر ستانے کے لیے لیٹ جاتا ہے... اس کی آنکھ لگ جاتی ہے... آنکھ کھلتی ہے تو سواری کا اونٹ غائب پاتا ہے... وہ اس کی تلاش میں کبھی ادھر بھاگتا ہے... تو کبھی ادھر... آخر تھک کر ناامید ہوکر بیٹھ جاتا ہے... بھوک سے اس کا بُرا حال ہوجاتا ہے... دم لبوں پر آجاتا ہے اور خیال کرنے لگتا ہے کہ بس اب وہ بے یار و مدد گار یہیں مرجائے گا کہ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے... اب وہ اسے دیکھ کر اس قدر خوش ہوتا ہے کہ بے اختیار اس کے منہ سے نکل جاتا ہے:

''اے اللہ! تو میرا بندہ، میں تیرا رب۔''

یعنی خوشی سے مغلوب ہوکر جملہ ہی الٹ بول جاتا ہے تو بالکل اسی طرح جب کسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوجاتی ہے تو پھر اس کی خوشی کا کیا ٹھکانا۔ اس سے بڑھ کر انسان کی خوش نصیبی اور ہو بھی کیا سکتی ہے...

ایمان والا شخص سچائی کو اپنا شعار بناتا ہے... امانت میں کبھی خیانت نہیں کرتا، وہ ہر معاملے میں انصاف کا دامن تھامے رہتا ہے... اس لیے کہ وہ جانتا ہے... اللہ تعالیٰ ان اوصاف کو پسند فرماتے ہیں... غرض وہ ہر ہر معاملے میں اللہ کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھتا ہے... اللہ تعالیٰ کی محبت اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ ان اعلیٰ صفات کو اختیار کرے جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

اب دیکھیے... اللہ تعالیٰ تو انصاف کو پسند کرتا ہے... کسی پر ظلم نہیں کرتا... تو اسی طرح اس نے اپنے بندوں کو ظلم سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے... یہاں تک کہ اس نے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حکم دیا ہے:

''اگر آپ فیصلہ کریں تو انصاف سے کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ظلم کو ناپسند کرتے ہیں تو اپنے بندوں سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ ظلم نہ کریں۔

عاجزی اور انکساری اللہ کو پسند ہے... اللہ پسند کرتے ہیں کہ اس کے بندے اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں... ان کے ساتھ عاجزی سے پیش آئیں... دراصل اللہ کی محبت اسے مخلوق سے محبت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور اللہ کی تعظیم اسے اللہ کے بندوں کا احترام کرنا سکھاتی ہے... وہ اللہ کے سامنے عاجزی کو اپنی عزت اور اللہ کے بندوں سے نرمی کو اپنی بلندی تصور کرتا ہے... مطلب یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اللہ

تعالیٰ اپنے بندوں میں تکبر کو پسند نہیں فرماتا... اب جو اللہ سے محبت کرتا ہے، وہ تو تکبر کے پاس نہیں پھٹکے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے منہ نہ پھیرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، بے شک اللہ تعالیٰ کسی غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

مختصر طور پر یہ کہ انسان کو چاہیے کہ نعمتوں سے دھوکا نہ کھائے اور یہ نہ بھولے کہ اسے جو کچھ ملا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے... اگر وہ یہ عقیدہ نہیں رکھے گا تو فخر اور غرور میں مبتلا ہو جائے گا... اپنے رب تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر بیٹھے گا... لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے... اچھی طرح عبادت کرے اور لوگوں سے عاجزی اور نرمی سے پیش آئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، انسان کو جو کچھ بھی نقصان پہنچتا ہے، زمینی ہو یا جانی وہ ہم نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی لکھ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات بہت آسان ہے۔ اس لیے کسی بھی نقصان پر غم زدہ نہ ہوں اور نہ ہی کسی نعمت پر غرور میں آئیں... اللہ تعالیٰ کسی متکبر کو پسند نہیں کرتا... حسن صاحب... اللہ کے اس فرمان میں آپ غور کریں... واضح طور پر یہ حکم موجود ہے کہ کسی بھی نقصان پر غم زدہ نہ ہوں... یہاں تو ہدایت ہے کہ کسی نقصان پر غم زدہ نہ ہوں... جب کہ آپ اپنے غم میں ساری دنیا سے منہ موڑ بیٹھے ہیں... کچھ مدت پہلے آپ جیسی ہی حالت یوسف سلیم صاحب کی بھی ہوگئی تھی... اب ان کی طرف دیکھیں... یہ کس قدر خوش ہیں... ان کا ایک گھر ہے... ان کی ایک اہلیہ ہیں... یہ ان کے ساتھ خوش رہ رہے ہیں یا نہیں... کیا انہیں کوئی غم ہے، کوئی رنج ہے ... انہیں جو حادثہ پیش آیا تھا... وہ کم دردناک نہیں تھا... پھر اس باپ کے بارے میں سوچیے جس کی ایک ہی بچی تھی... جوان بچی... گھر میں اس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا اور جب وہ ایک بچی بھی اچانک حادثے میں جاں بحق ہوگئی تو اس باپ پر کیا گزری ہوگی۔ ہم آپ کو اس باپ سے بھی ملوائیں گے... میری مراد سردار خالد سے ہے... اب میں پھر اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ بہت نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے... اور نرمی اختیار کرنے پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔

اسی طرح حیا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، حیا اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ حیا گناہوں سے دور رہتا ہے، بداخلاقی سے خود کو بچاتا ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، صفائی پسند ہے... اس کی فطرت نیک ہے، یہی حیا اسے گناہ سے بچاتی ہے۔ عیب اور گناہ سے محفوظ رکھتی ہے... اب

ہوتا کیا ہے... حیا کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگتے ہیں... مومن کو یہی چاہیے... اللہ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں، تو میں پاکیزہ رہوں، پاکیزہ بات کروں... اچھے کام کروں، کسی کو بھی میرے قول و فعل سے تکلیف نہ ہو۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہترین سیرت کا کامل نمونہ تھے۔ صحیح ترین دین کی طرف رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ کو یہی کام سونپا گیا تھا... بہت زیادہ حیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت کرتے تھے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے... اب حیا جس میں بھی ہوگی اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کریں گے، لیکن جس شخص میں سے حیا نکل جاتی ہے، وہ عیب دار ہو جائے گا... کیونکہ حیا انسان کو غلطی سے بچاتی ہے، گناہ اور نافرمانی سے محفوظ رکھتی ہے، حیا انسان کے لیے محبت اور فضیلت کا لباس ہے۔ ذلت سے محفوظ رکھتی ہے... انسان کی فطرت کو سرکشی سے محفوظ رکھتی ہے... انسان کے قول و فعل کو مہذب بنا دیتی ہے ... اللہ تعالیٰ بدزبانی کو پسند نہیں فرماتا... اب جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، وہ اس سے ملاقات کا بھی آرزومند ہے... اس کے قرب کا بھی خواہش مند ہے... وہ ہر کام انجام دینے کی کوشش کرے گا، جو اسے اللہ سے قریب کردے... آپ دونوں اس بات کو شاید مجھ سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں... اس دنیا کے محبوب کی خاطر انسان کیا کچھ نہیں کر گزرتا... اس کی معمولی سے معمولی خواہش کی تکمیل کے لیے اپنا تن اور من لگا دیتا ہے، بلکہ جان کی بازی بھی لگا دینے کے لیے تیار ہو جاتا... وجہ یہی نا کہ اس طرح کسی کے قریب ہو جائے، بس وہ کسی طرح راضی ہو جائے... اس مثال کو سامنے رکھ کر سوچیں، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہمیں ہر وہ کام کرنا ہوگا... جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور ہر اس کام سے کنارا کرنا ہوگا جو اسے ناپسند ہے۔

اور بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا بہت آسان ہے... بس آپ وضو کریں اور نماز شروع کر دیں، قرآن کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بات چیت کریں۔

نماز ایک مستقل گفتگو ہے جو بندے اور اس کے خالق اور مالک کے درمیان ہر وقت جاری رہتی ہے... یہ اللہ تعالیٰ سے بار بار ملاقات کا ذریعہ ہے... اس کی بنیاد محبت اور خلوص پر ہے... فرق یہ ہے جو بندے اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوتے ہیں... اور جنھیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ہر وقت دامن گیر رہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو نعمتوں اور رحمتوں کے سائے میں اللہ تعالیٰ سے ابدی ملاقات کے لیے

ترستے ہیں۔ ان کی آنکھیں ملاقات کے شوق میں ترستی رہتی ہیں... وجہ اس کی یہی ہے کہ انہیں اصل نعمت اور عظیم سعادت اللہ تعالیٰ کے قرب ہی میں محسوس ہوتی ہے... اس کا نتیجہ جانتے ہیں، کیا نکلتا ہے... صرف اور صرف یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے... اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے... یہی وجہ ہے کہ مومن اللہ کے راستے میں جہاد اور شہادت کا طلب گار رہتا ہے... اللہ کے راستے میں ہر قربانی کے لیے تیار رہتا ہے... اس کی یہ کیفیت اللہ کی محبت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

ان کے برعکس جن لوگوں کو ماں باپ، اولاد، کاروبار، خوب صورت عورتیں زیادہ محبوب ہیں... اور ان سب کی وجہ سے وہ جہاد سے منہ موڑتے ہیں تو ایسوں کے لیے اللہ کا عذاب تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے محبت کا اعلان کیا ہے جو اس کی راہ میں کافروں سے لڑتے ہیں... مومن کا اس طرح موت کے لیے تیار رہنا اور شہادت کے لیے آگے بڑھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے... اسے اس سے ملاقات کا شوق ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان ہے۔

یہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جس نے مومنین کو اتنے یقین و اعتماد، محبت اور اطمینان سے موت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی جرأت عطا کی... وہ کھلے دل سے تیروں اور نیزوں کا استقبال کرتے ہیں، پورے سکون سے دشمنوں کے تیروں اور نیزوں کے وار سینے پر لینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

یہ بھی جان لیں، یہ بات انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ ہر فائدہ پہنچانے والی چیز سے محبت کرتا ہے... یہی وجہ ہے کہ مال سے اس کی محبت بہت شدید ہے... چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کو مال کے ذریعے آزماتا ہے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اسے اللہ رب العزت سے کتنی محبت ہے... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، تم ہرگز نیکی کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکو گے جب تک کہ تم وہ چیز خرچ نہ کرو جس سے تمہیں محبت ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

ہم جانتے ہیں، مال و دولت سے لوگوں کو شدید محبت ہے، چنانچہ انسان کو آزمانے کے لیے اللہ تعالیٰ اسی مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے... کنجوسی کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو یعنی مال کو خرچ کرو، اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اب جو مومن اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرتا ہے... وہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت کو بھی کچھ نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتا ہے... اسے نہ اپنے مال سے محبت ہوتی ہے، نہ

غیروں کے مال سے۔اس کے دل میں تو اللہ کی محبت رچی رہتی ہے... اس کی محبت کے سوا کسی بھی اور چیز کی محبت اس دل میں نہیں سماتی... وہ جہاں اور جس حال میں ہوتا ہے... نیکی کا متلاشی رہتا ہے... اللہ فرماتے ہیں:

''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف کرلو، بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، قیامت، فرشتوں، کتابوں اور انبیا پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا مال، رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، ضرورت مندوں اور غلاموں کو دو۔ نماز صحیح صحیح ادا کرو، زکوۃ دو، وعدہ کرو تو اسے پورا کرو اور تنگی ترشی اور لڑائی کے وقت صبر کرو.. ایسے لوگ ہی اپنے ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

مومن یہ بات بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ جو تکلیف اسے پہنچتی ہے، وہ اس سے ٹل نہیں سکتی... اور جو چیز اسے نہیں ملی، وہ یقیناً اسے مل نہیں سکتی تھی... اللہ تعالیٰ کی آزمائش تو مومن کے لیے رحمت ہے... معلوم ہوجاتا ہے کہ کون اللہ کی آزمائش پر صبر کرتا ہے اور ہر حال میں اللہ ہی سے محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم تمہیں خوف، بھوک، مال، جان اور کاروبار میں نفع، نقصان کے ذریعے آزماتے ہیں۔ان لوگوں کے لیے خوش خبری ہے جو ہر قسم کے حالات میں مضبوط اور ثابت قدم رہتے ہیں۔''

مطلب یہ ہوا میرے عزیز! جو لوگ اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں... وہ صبر کرتے ہیں... نماز قائم رکھتے ہیں، اللہ کے دیے ہوئے مال سے اعلانیہ اور خفیہ خرچ کرتے ہیں... نیکیاں کرکے برائیوں کو مٹاتے ہیں... ان کے لیے آخرت کا گھر ہے۔

''اللہ کی محبت کی علامت اسے کثرت سے یاد کرنا ہے، کیونکہ جس چیز سے انسان کو محبت ہے... اسی کو وہ کثرت سے یاد کرتا ہے... یہی بات ہے نا۔'' یہ کہتے ہوئے عبدالکریم نے حسن کی طرف دیکھا... ساتھ میں مسکرائے بھی۔

حسن کو بھی اس موقعے پر مسکرانا پڑ گیا... انہیں یوں محسوس ہوا جیسے رفتہ رفتہ اس کی اداسی کم ہو رہی ہے... عبدالکریم نے پھر کہنا شروع کیا:

''یہ بات بھی طے ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کی خاطر ہر تکلیف کو گوارا کرتا ہے... اب اگر کوئی اللہ سے شکوہ کرے تو پھر اس کا محبت کا دعویٰ سچا نہیں۔

اب میں آتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی طرف۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت عظمت اور احترام والی محبت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی سے محبت کی دلیل ہے... جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت ہوگی۔اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے بھی محبت ہوگی۔وہ آپ کی سنت سے محبت کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو لازم پکڑتا ہے... خود کو گناہوں سے آلودہ ہونے سے بچاتا ہے... اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر ہمیشہ کاربند رہتا ہے۔

اور یہ بات لازمی قرار دی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بڑھ کر اس کے دل میں کسی اور انسان کی محبت نہ ہو۔اب کلیہ بنا کہ تمام تر محبت کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے... اس کے ساتھ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت ہو... بلکہ تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت ہو... اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی واضح ارشاد ہے... وہ بھی سن لیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص بھی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ سے اور اولاد سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔''

اب سوال یہ ہے کہ اس محبت کا اظہار ہم کیسے کریں۔صرف یہ کہہ دینے سے تو بات ثابت نہیں ہوجاتی کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت ہے... اس محبت کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی سے ممکن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی اللہ تعالیٰ کی محبت ہی کی وجہ سے ہے۔اللہ کا محبوب وہی ہوسکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہو... اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی کام کا حکم دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو... آپ انہیں باتوں کی خبر دیتے تھے جس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتی تھی... پس جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔اس پیروی کی برکت ہی سے مومن ایمان کے کمال تک پہنچتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی حاصل کرلیتا ہے... اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ کہلوائے ہیں:

''اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے مہربان ہیں... اللہ اور اس کے

رسول کی اطاعت کریں... اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔

اس ساری گفتگو سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے... اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قریب قریب بائیس مقامات پر بیان کیا ہے...

ایمان کی مٹھاس وہ شخص محسوس کرسکتا ہے جو دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرے۔

اور یہ بھی جان لیں کہ دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت آخرت میں آپ سے قرب کا ذریعہ بنتا ہے... محبت دل کو آلائشوں سے پاک کرتی ہے... روح کو مادی بیماریوں سے شفا بخشتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک دن آپ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے محبت ہے۔"

یہ بات انہوں نے کئی بار دہرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار یہ جواب مرحمت فرمایا:

"ابوذر! یقیناً تجھے انھی کا ساتھ نصیب ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلے۔ آپ کے طریقے کی پیروی کرے... اور کسی کمی بیشی کے بغیر آپ کی سنت کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرے... اسی کا نام آپ سے محبت ہے۔

ایک شخص نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟"

پہلے تو وہ صاحب چپ ہو گئے پھر عرض کرنے لگے:

"اے اللہ کے رسول! میں نے زیادہ نمازیں، روزے اور صدقات تو نہیں کیے، البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"تو انہی کے ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔"

اس ساری گفتگو کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ساری دنیا سے لاتعلق ہو جائے... نہیں... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی۔ آپ کا ارشاد ہے:

"میں تم لوگوں سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں... لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں، ناغہ بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں جو شخص میرے طریقے سے منہ پھیرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں دنیا ترک کر دینے سے منع فرما دیا جیسا کہ عیسائیت میں اور یہودیت میں رہبانیت پائی جاتی ہے... یعنی دنیا سے بالکل کٹ جانا... آپ نے رہبانیت کو ناپسند فرمایا... اسی لیے فرمایا کہ میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔

مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو میانہ روی کی تعلیم دیتے تھے۔ جب آپ ایسا کام کرتے جو صحابہ کرام کے لیے مشقت کا سبب ہوتا تو آپ انہیں صاف بتا دیتے کہ یہ کام میرے لیے خاص ہے۔ تم یہ نہیں کر سکتے... مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر سحری اور افطار، مسلسل روزے رکھنے سے منع فرمایا، اس پر لوگوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! آپ بھی تو ایسا کرتے ہیں۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے کون مجھ جیسا ہے، مجھے تو اللہ تعالیٰ کھلاتا پلاتا رہتا ہے۔"

یعنی تم ایسا نہ کرو... اس سے ثابت ہوا کہ ہمیں اس دنیا میں سنتِ نبوی پر عمل کرنا ہے... جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے گا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور آپ کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش کرے گا... اور یہ تبھی ممکن ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور دعوت مومن کی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہو اور تمام معاملات میں جاری اور ساری ہو... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کو اچھی طرح سمجھا جائے۔ آپ کی سیرت طیبہ، آپ کی تبلیغ اور جد وجہد سے اپنی زندگی کے لیے سبق حاصل کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے یا جو آپ کو محبوب رکھتے تھے، ان سے بھی محبت کی جائے... یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہیں۔ لہٰذا ان سب سے محبت کرنا ضروری ہے... بے شمار

احادیث ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت سے محبت کی دعوت دیتی ہیں... جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، اے اللہ جوان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت کر۔ ایک مرتبہ فرمایا، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں... اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے۔ آپ نے ان کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت قرار دیا۔ لہٰذا ان سے محبت ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت تھی۔ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی بہت محبت تھی۔ آپ نے انہیں بچپن میں پالا تھا... اسی محبت کی بنا پر آپ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے نکاح میں دے دیا۔

فتح خیبر کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کے رسول کو محبت ہے اور اسے اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کرام سے بے پناہ محبت تھی، اس لیے ان سب سے بھی محبت رکھنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نشانی ہے۔ آگے چلیے، سلف صالحین کو صحابہ کرام سے انتہا درجے کی محبت تھی۔ حتیٰ کہ وہ ان سے محبت رکھنے کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معتبر عمل اصحابِ نبی سے محبت ہے... اگر تو روزِ محشر روئے زمین کے برابر بھی گناہ لے کر آیا، تب بھی اللہ تعالیٰ تجھے معاف کر دے گا، لیکن اگر تو حشر کے میدان میں صحابہ کرام سے ذرہ برابر بھی بغض لے کر آیا تو تجھے تیری کسی نیکی کا فائدہ نہیں ہوگا۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کو سب سے زیادہ کون پیارا ہے؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔''

پوچھا گیا:

''مردوں میں سے کون سب سے زیادہ پیارا ہے۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس کا باپ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔''

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور انہیں افضل سمجھنا، اہل سنت کی نشانی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح محبت تھی جس طرح آپ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے۔ حضرت اسامہ سے محبت دیکھیے کہ انہیں ایک عظیم الشان لشکر کا سالار مقرر فرمایا حالانکہ اس وقت اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیزوں سے بھی محبت کرنا دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے محبت کرنا ہے۔ آپ عمدہ اخلاق، اعلیٰ خصائل، نیکی اور حسنِ سلوک کو پسند فرماتے تھے۔

جن مقامات سے آپ کو محبت تھی، ہمیں بھی ان مقامات سے محبت ہونی چاہیے۔ آپ کے محبوب مقامات میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو اولیت حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اے اللہ! مدینہ کو بھی ہمارے دلوں میں اس طرح محبوب بنا دے جس طرح مکہ مکرمہ محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اسی طرح آپ مدینہ منورہ میں احد پہاڑ سے محبت کرتے تھے۔ اس کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

یہ وہ پہاڑ ہے جس سے ہم محبت کرتے ہیں اور یہ بھی ہم سے محبت کرتا ہے۔

ادھر صحابہ کرام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے قربانی اور جان نثاری کے بے مثال نمونے چھوڑے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت کا تو یہ حال تھا کہ اسلام سے پہلے تو وہ اپنی قوم کی آنکھ کا تارا تھے۔ سب کے محبوب تھے۔ نہایت نرم مزاج تھے۔ آپ نہایت خلیق تھے۔ آپ بہت اچھے تاجر تھے۔ آپ کی قوم کے لوگ آپ کے پاس آتے جاتے تھے اور یہ سب اس لیے تھا کہ آپ کا علم، آپ کی تجارت، آپ کی ملنساری بہت مشہور تھی۔ حاضرین میں سے جس پر آپ کو اعتماد ہوتا تھا، آپ اسے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی اور اسلام کی دعوت

دیتے تھے... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ان کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا،لیکن وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بہت سے ایسے مرحلے آئے جوان کی عظمت اور ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے مثل محبت کے گواہ بن گئے۔بعض انتہائی نازک اور خطرناک مقامات پر بھی ان کے سینے میں رسول اللہ ہی کی شدید محبت کا غلبہ رہا اور یہ جذبہ ان کی شناخت بن گیا۔وہ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔اسی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ کس قدر مضبوط تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں کس قدر گہری محبت تھی۔پیشے کے لحاظ سے وہ ایک تاجر تھے۔اسلام قبول کرلینے کے بعد ان کی تجارت اور دیگر معاملات کو شدید نقصان پہنچا ہوگا،کیونکہ قریش اور دیگر عرب اسلام لانے والے ہر شخص کا بائیکاٹ کردیتے تھے...ایسے ہر شخص کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت،آپ کے لیے قربانی اور جانثاری کی انتہائی روشن مثالیں قائم کی ہیں۔آپ نے ہی نے تو ہجرت کے پرخطر موقعے پر آپ کا ساتھ دیا تھا۔مشرک آپ کے خون کے پیاسے تھے...اور گھات میں تھے... آپ کو شہید کرنے پر تلے تھے...

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت اس وقت سورج کی طرح چمک کر سامنے آگئی جب آپ اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے آپ سے پہلے غار میں داخل ہوگئے... آپ نے آگے پیچھے رہ کر آپ کی حفاظت فرمائی۔ان کی تڑپ صرف یہ تھی کہ چاہے،ان کی جان چلی جائے... لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

یہ صرف ایمانی قوت تھی جس نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل کو سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا کاشانہ بنادیا تھا۔

اسی طرح حقیقی محبت کا ایک اور مقام دنیا کے سامنے آیا۔تاریخ نے اس واقعے کو محفوظ کردیا۔ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو تمام مسلمان گھبرا گئے۔عظیم خطرات منہ کھول کر سامنے آگئے... ان لمحات میں حضرت ابوبکر نے جو کردار ادا کیا،وہ اپنی مثال آپ بن گیا۔جس

وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا،آپ اس وقت مدینہ منورہ سے باہر موضوع سُخ،اپنے گھر گئے ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت ننگی تلوار لیے یہ اعلان کررہے تھے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا... آپ واپس آئیں گے اور منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔"

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق وہاں پہنچ گئے۔آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا اور آپ کو بوسہ دیا اور فرمایا:

"میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوجائیں... آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں کس قدر پاکیزہ ہیں۔قسم ہے،اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے...اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت نہیں چکھائے گا۔پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے:

"اے قسمیں کھانے والے... بیٹھ جاؤ۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریر شروع کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی،پھر فرمایا:

"جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا،وہ سن لے کہ آپ وفات پا گئے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے،وہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی فوت نہیں ہوگا۔پھر یہ آیت پڑھی:اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں... ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں... اگر وہ فوت ہوجائیں یا قتل کردیے جائیں تو کیا تم مرتد ہوجاؤ گے اور جو شخص دین سے پھر جائے گا،وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا۔اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر لوگ ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔آپ کے ان الفاظ نے انہیں ہدایت پر قائم رکھا۔

دراصل یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی انتہائی گہری محبت ہی تھی جس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حوصلہ بلند رکھا... اور یہ ہمت دلائی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمات اور تکالیف کی شدت کے باوجود ایک اعلیٰ مقصد اور عظیم الشان مشن پر قائم رہے... یہ

مشن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی حفاظت اور آپ کے عظیم پیغام کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا تھا... کیونکہ وہ تو اسے ختم کرنے کے لیے موقعے کی تاک میں تھے... یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی تو تھی جس نے انہیں یہ ہمت عطا کی کہ ایک حقیقت کو وہ خود بھی تسلیم کرلیں اور مسلمانوں کو بھی اس سے روشناس کرائیں۔ پھر اس عظیم صدمے پر قابو پا کر دین کی دعوت اور پیغام رسالت کو اس کے ہدف تک پہنچائیں۔

غزوہ احد کے موقعے پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے نرغے میں آگئے تو صحابہ کرام نے بے مثالی جاں نثاری ثابت کی۔ موت کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ کا دفاع کیا۔ اس سلسلے میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ کافروں کی ہر ضرب کو اپنے ہاتھوں پر روکتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس جاں نثاری پر فرمایا:

''طلحہ نے اپنے لیے اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور جنت کو واجب کرلیا۔''

یہ کس قدر عظیم محبت ہے۔ تاریخ ایسی مخلصانہ محبت کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں کسی دنیاوی لالچ کا شائبہ تک نہ ہو۔

ایک صحابی ہیں خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ۔ غزوہ احد کے بعد کی بات ہے۔ قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول!... ہمارے قبیلوں کے اسلام لے آنے کی بہت امید ہے۔ آپ ہمارے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کو بھیج دیں... وہ ہمیں دین سکھائیں، قرآن پڑھائیں اور ہمیں اسلام کے احکامات کی تعلیم دیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دس صحابہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ ان میں حضرت خبیب بن عدی بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ یہ صحابہ ان کے لوگوں کے ساتھ چل دیے۔ جب یہ سب رجیع کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے غداری کی اور ان میں سے چند صحابہ کو شہید کردیا۔ حضرت خبیب بن عدی کو مشرکین مکہ کے ہاتھ فروخت کردیا۔

انہیں حارث بن عامر کے ماں جائے بھائی حجر بن ابی اہاب نے خرید لیا۔ وہ انہیں اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا باپ مسلمانوں کے ہاتھوں غزوہ احد میں مارا گیا تھا۔ جب یہ لوگ انہیں قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو کچھ قریشی سرداران کے آس پاس جمع ہوگئے۔

ان میں ابوسفیان بن حرب (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے خبیب! کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے اور ہم انہیں قتل کرتے اور تو اپنے گھر بیٹھا ہوتا۔''

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''ظالمو! اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں بیٹھے ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ اور میں اپنے گھر والوں میں بیٹھا رہوں۔''

اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

''میں نے کسی کو بھی کسی دوسرے سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا، جیسی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اور شاگرد کرتے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خبیب کو نسطاس نے شہید کردیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ تاریخ کے اوراق تو ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ واقعات اس بے مثال محبت اور اس مقدس جماعت کے صدق اور ایمان کی روشن دلیل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقدس ہستیوں کو خوب نکھار دیا ہے اور ان کے ایمان نے ان کی عظمت اور رفعت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

اب تک میں نے جو گفتگو کی ہے، اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ دین اسلام نے مومنین کے دلوں میں محبت کی جڑیں بڑی مضبوط کردی ہیں۔ ان کے دلوں سے خود غرضی اور ذاتی لالچ کو مٹا دیا ہے۔ جاہلیت کی ساری رسموں کا خاتمہ کردیا ہے اور ان میں اعلیٰ اخلاق پروان چڑھائے ہیں۔ اب مسلمانوں کا تمام فخر اور شرف صرف اللہ رب العزت کے دین سے وابستہ ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی حکومت کی ترقی کا راز یہی تھا۔ بعد میں سیاسی اختلافات، نسلی گروہ بندی اور قومی عصبیتیں جاگ اٹھیں۔ ایک دین کے پیروکار اختلافات کا شکار ہوکر گروہ در گروہ ہوگئے۔ جب تک مسلمان ایک دین کے پیروکار رہے، انہیں عزت نصیب ہوتی رہی، بھائی چارے اور محبت کے پرخلوص جذبات نے ان کے دلوں میں محبت کو موجزن رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام میں فرمایا ہے:

"اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور گروہ بندی اختیار نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، لیکن اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں آگ میں گرنے سے بچالیا۔"

مطلب یہ کہ مسلمان آپس میں ایک جان ہوتے ہیں۔ چاہے ان کے وطن اور رنگ میں کتنا ہی اختلاف ہو، وہ ایک دل کی طرح ہوتے ہیں... انہیں ایک دین اور ایک محبت نے اکٹھا کر رکھا ہے اور وہ دین ہے اللہ کا اور محبت ہے اللہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بلاشبہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے بھائیوں میں صلح قائم رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔"

اس سلسلے میں یہ خیال آسکتا ہے کہ منافقین اور کفار بھی تو محبت کے رشتے میں بندھے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، وہ اندرونی طور پر ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تفریق نے ان کی صفیں پھاڑ دی ہیں۔ بغض نے انہیں منتشر کر رکھا ہے، اس لیے کہ وہ اس روحانی حقیقت سے غافل اور بے خبر ہیں جو دلوں میں وحدت اور الفت پیدا کرتی ہے۔ اخوت اور محبت کے بیج ہوتی ہے... ان کے برعکس جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت نہیں کرتے، چاہے، وہ ان کے باپ، بیٹے اور بھائی یا ان کے کنبے کے افراد ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے... انہیں روحانی تائید عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی، وہ اللہ سے راضی رہیں گے... یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں... اللہ تعالیٰ کی جماعت والے ہی کامیاب ہوئے ہیں۔

یہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر بدن کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ دلوں میں محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک شخص دوسرے میں قبولیت اور مناسبت پاتا ہے۔ اس طرح روحوں میں مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ طبیعت اور مزاج موافق ہو جاتے ہیں۔ اس طرح روحوں کے بھی الگ الگ گروہ ہیں... ایک دوسرے سے

متعارف ہوتے ہیں... ان میں یہاں بھی محبت ہو جاتی ہے اور جو وہاں ایک دوسرے سے متعارف نہ ہوں۔ ان میں یہاں بھی اختلاف ہو جاتا ہے جب محبت کی اساس اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہو تو مومن کے دل اور دماغ میں ایک بے مثال روشنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ روشنی اسے مادہ اور محسوسات سے بہت بلند کر دیتی ہے۔ پھر وہ کسی سے اپنی غرض و غایت یا مفاد کی بنا پر محبت نہیں کرتا۔ اس کی محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے، غرض جب کوئی بندہ دوسرے سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے پروردگار کی تکریم کرتا ہے۔ اور جوں جوں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھتا جاتا ہے، اس محبت میں بھی اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے... اور اس کی محبت اتنی ہی خالص ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جب وہ شخص صرف اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو جو شخص زیادہ محبت کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور سمجھاتے تھے کہ جس قدر باہمی محبت پختہ ہوگی، اسی قدر اللہ پر ایمان بھی مضبوط ہوگا۔

اس پوری بات کو مختصر ترین الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کے لیے دوستی رکھنا اور اللہ کے لیے محبت کرنا ایمان کا مضبوط ترین درجہ ہے۔ اور اس درجے تک اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہی پہنچ پاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اپنے قرب اور اپنی محبت اور رحمت سے سرفراز فرمائے گا۔

قیامت کے دن سات قسم کے لوگ اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے... اور اس دن اللہ کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا... وہ سات اشخاص یہ ہیں، انصاف کرنے والا حاکم، وہ نوجوان جو شروع سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا، وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہا، وہ دو شخص جو اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اسی کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی کے لیے جدا ہوتے ہیں... وہ آدمی جسے کوئی بلند مرتبہ خوب صورت عورت، برائی کی دعوت دے، لیکن وہ کہہ دے، میں اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ آدمی جو اس قدر چھپا کر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہیں چلتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ دیا ہے، وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے روئے۔

محبت اور بغض دراصل دو پوشیدہ چیزیں ہیں... تفصیل اس کی یہ ہے کہ محبت دو طرح کی ہے۔ ایک اتفاقیہ، مثلاً پڑوس، جماعت، سکول، بازار، شاہی دربار یا سفر میں ایک دوسرے کے سامنے اٹھنا

بیٹھنا یا رہنا پڑتا ہے... دوسری قسم ہے اختیاری طور پر کسی سے تعلقات رکھنا، یہ دوسری قسم ہی ہمارا مقصد ہے، کیونکہ دینی تعلق اور محبت اسی قسم میں داخل ہے۔ثواب اختیاری کاموں ہی سے ملتا ہے۔ صحبت سے مراد اٹھنا، بیٹھنا، ملنا جلنا اور ساتھ رہنا ہے۔ یہ چیزیں اسی وقت ہوتی ہیں جب انسان کسی سے محبت کرے، کیونکہ جس سے محبت نہ ہو، اس سے تو انسان دور رہتا ہے... اور اس سے کوئی میل جول ہی نہیں رکھتا۔

اب جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے، اس کا مقصد یا تو اس محبت کے ذریعے اپنے کسی مقصود تک پہنچنا ہوتا ہے یا وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے۔ پہلی صورت میں اس کا مقصد دنیاوی بھی ہوسکتا ہے اور اخروی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان سے دوستی رکھتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے پاس آنے والے حق سے انکاری ہیں۔"

یعنی سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے، لہٰذا ایسوں کی دوستی مسلمانوں کو بھی گمراہ کرسکتی ہے۔ اب جو شخص اللہ کے لیے محبت کرتا ہے، وہ بغض بھی اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے کرتا ہے، جب تم کسی انسان سے محبت کرتے ہو تو اس لیے کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار اور محبوب ہے۔ اگر وہ اللہ کا نافرمان ہے تو لازمی بات ہے، تم اس سے ناراض ہو جاؤ گے... اس لیے کہ وہ اللہ کا نافرمان ہے اور اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور جو شخص کسی سبب کی بنا پر محبت کرتا ہے تو لازماً اس کی ضد کی وجہ سے بغض بھی رکھے گا اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، الگ نہیں ہو سکتے... مزید یہ کہ محبت اور بغض دل میں پوشیدہ بیماریاں ہیں۔ ان کا اظہار غلبے کے وقت ہوتا ہے۔ دوست دشمن کا پتا قرب اور دوری سے چلتا ہے، یا موافقت اور مخالفت سے چلتا ہے... اور جب محبت اور بغض اعمال اور افعال میں آجائیں تو اسے دوستی اور دشمنی کہا جاتا ہے۔

اسی لیے کفار سے دوستی سے روکا گیا ہے۔ ان سے محبت کرانے سے ڈرایا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ہے۔ جب ہم ان سے نفرت کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ نے غضب کیا اور وہ آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کفار قبر والوں کے جی اٹھنے سے مایوس ہو گئے ہیں۔"

مومن جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنی وہی محبت بھائیوں کے لیے خاص کرتا ہے، کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں، اس محبت میں اسے اللہ تعالیٰ سے ثواب ملے گا۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام مخلوقات سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور ہم ان سب لوگوں سے بھی محبت کرتے ہیں جن کی تعریف کتاب و سنت اور آئمہ نے کی ہے۔ مثلاً انبیا علیہم السلام، اولیا رحمھم اللہ اور نیک لوگ وغیرہ۔ اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ان تمام لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آئمہ کرام نے مذمت کی ہے۔ مثلاً کافر، فاسق، بدعتی اور گمراہ لوگ۔

انسان سے بیک وقت اس کی نیکیوں کی بنا پر محبت کی جاتی ہے اور برائیوں کی بنا پر ناراضی رکھی جاتی ہے... مثلاً کوئی شخص مسلمان تو ہے، لیکن وہ فاسق بھی ہے تو ہم اس کے ایمان کی وجہ سے اس سے محبت کریں گے اور اس کے فسق کی وجہ سے ہم اس سے بغض رکھیں گے۔ مطلب یہ کہ انسان سے اس کی نیکیوں کی وجہ سے محبت اور اس کے فسق کی وجہ سے بغض رکھیں گے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ ہی سے محبت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مومنین سے اسی بنا پر محبت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انتہائی کامل تھی۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں سے سب سے بڑھ کر محبت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے سب سے بڑھ کر بغض رکھتے تھے۔ گویا اسلام محبت کو دینی اور اخلاقی جہت عطا کرتا ہے۔ اسی بنا پر اسے دوام حاصل ہو جاتا ہے اور وہ زندگی کے تغیرات اور انسانی خواہشات سے ماورا ہو جاتی ہے۔

محبت نسب کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے، دین کی بنیاد پر بھی اور وطن بھی اس کا سبب ہوسکتا ہے... عادات اور صفات کے ایک جیسا ہونے کی وجہ سے بھی محبت ہوتی ہے۔ معاملات اور لین دین کی بنیاد پر بھی محبت ہو جاتی ہے... لیکن ان سب میں مضبوط قابل اعتماد اور دیرپا دینی محبت ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی، حالات اور حادثات اس میں کوئی فرق پیدا نہیں کر سکتے۔ محبت کسی قوم اور زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

انسان کی کسی قسم سے محبت اسے اسی میں سے بنا دیتی ہے اور اسے اسی میں شامل کر دیتی ہے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے، مگر ان سے مل نہیں سکا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے جواب میں فرمایا:

"آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یہ جواب سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ انہوں نے اس فرمانِ مبارک کو جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات کو وعدہ سمجھا۔

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! ایک شخص کسی کی نیکی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے مگر اس جیسے عمل نہیں کرتا... تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص پاس سے گزرا۔ پاس بیٹھے شخص نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا تو نے اسے بتا دیا کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔"

اس نے کہا:

"جی نہیں۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جا، اسے یہ بات بتا دے۔"

وہ شخص اس کے پاس گیا اور اس سے بولا:

"میں تجھ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

اس نے جواب میں کہا:

"تجھ سے بھی وہ ذات محبت کرے جس کی خاطر تو نے مجھ سے محبت کی... اور بھئی یوسف

صاحب... اگر آپ کے دوست تھک نہ گئے ہوں تو میں اپنا بیان جاری رکھوں گا... ورنہ آرام کر لیتے ہیں..."عبدالکریم صاحب یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"جی نہیں... آپ بات جاری رکھیے۔"

"اچھی بات ہے... اب میں دوسروں سے محبت کے دلائل دوں گا... اور اس سلسلے میں ان کے حقوق کیا ہیں... یہ بتاؤں گا... دیکھیے! مسلمان بھائیوں سے محبت ان دلوں کو روشن کرتی ہے... جو ایمان کی بدولت مطمئن ہوتے ہیں... اللہ کے خوف سے آباد ہوتے ہیں... اللہ کو راضی کرنے کے آرزومند ہوتے ہیں... ہر وقت اس کی محبت کے پیاسے رہتے ہیں... جب دل محبت سے بھر جاتے ہیں تو تمام اعضا بھی اس محبت میں شریک ہو جاتے ہیں... اور اس محبت کے آثار ان کی تمام حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتے ہیں... سچی محبت تو دراصل ایمان کی پختگی کی دلیل ہے... ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

چنانچہ دوسروں کا بھلا چاہنا، ان کی خوش نصیبی کا خواہش مند رہنا اور انہیں ہر قسم کے شر اور بدبختی کے اسباب سے بچانا سچی محبت کی دلیلیں ہیں... اسلام ہمیں یہ ہدایت دیتا ہے کہ جس شخص سے ہم خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کریں، اعلانیہ کریں اور محبت کے اس جذبے کو اپنے قول اور فعل سے ظاہر کریں۔ مناسب یہ ہے کہ مومن اپنے بھائی سے صاف الفاظ میں محبت کا اظہار کرے۔ اس اظہار سے وہ خوش ہوگا، خود کو نیک بخت خیال کرے گا اور اس طرح آپ کی محبت اور اخوت کے تعلقات پروان چڑھیں گے، جب ایک مسلمان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مجھ سے خالص اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں اور ان کی یہ محبت دنیاوی اغراض اور مقاصد سے پاک ہے تو وہ معاشرے میں تنہائی اور گھبراہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ اس طرح باہمی تعاون کی فضا پیدا ہوگی۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد مبارک یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے دینی بھائی سے محبت ہو تو اسے چاہیے کہ بتا دے، مجھے تم سے محبت ہے۔

محبت کے بڑھانے میں سلام کرنے کی بھی بہت اہمیت ہے۔ سلام کہنا باہمی محبت کا پہلا زینہ ہے، محبت اور دوستی کی چابی ہے۔ سلام جس قدر زیادہ فروغ پائے گا، مسلمانوں کی باہمی محبت اتنی ہی بڑھے گی۔ دوسرے مذاہب سے امتیاز ظاہر ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، قسم ہے، اس

ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ اور تم صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے گی، آپس میں کثرت سے سلام کیا کرو۔

سلام کی کثرت محبت اور الفت کی دلیل ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحے کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپس کی ملاقاتیں بھی محبت کو قائم و دائم رکھتی ہیں۔ دل اور دماغ میں محبت کے جذبات کو بیدار کرتی ہیں۔ مسلمان جب اپنے دینی بھائی کی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو وہ اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اور ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ میل ملاقات خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور دنیاوی اغراض و مقاصد سے پاک ہو۔

اب اس کی مثال بھی سن لیں:

''ایک آدمی دوسری بستی میں اپنے دینی بھائی سے ملنے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا۔ جب وہ فرشتے کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: میں اس بستی میں اپنے ایک دینی بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: کیا تو اس پر کوئی احسان تو نہیں کرنا چاہتا؟ اس نے کہا: نہیں، میں تو اس سے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا: تو پھر سن لے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی تجھ سے اسی طرح محبت ہے جس طرح تو اپنے بھائی سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتا ہے۔''

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملنے جاتا ہے تو اسے ستر ہزار فرشتے رخصت کرتے ہیں اور اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں... وہ کہتے ہیں، اے اللہ جس طرح اس نے تیری خاطر صلہ رحمی کی ہے تو بھی اسے اپنی رحمت سے بہرہ ور فرما۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہو چکی ہے جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں یا ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں یا ایک دوسرے سے ملنے کے لیے جاتے ہیں یا وہ میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

مریض کی بیمار پرسی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بیمار کا حال پوچھنے سے اس کے دل میں امید اور نیک بختی پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک نفسیاتی چیز ہے، جلد صحت یابی میں بہت موثر ہے۔ اس بنا پر اسلام

نے بیماروں کی عیادت کی رغبت دلائی ہے۔ نہ صرف رغبت دلائی ہے بلکہ تاکید کی ہے کہ مریض کے پاس بیٹھ کر تسلی اور حوصلہ دلانے والی باتیں کی جائیں۔ اس کے پاس موت کا ذکر نہ کیا جائے۔ جب عیادت صرف اللہ کی محبت، خالص دوستی اور خلوص نیت سے کی جائے گی تو اس کا اثر اور فائدہ بہت بڑھ جاتا ہے۔

دوسروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنے سے بھی محبت بڑھتی ہے۔ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے بہت کسر نفسی سے پیش آتے تھے۔ اپنی چادر مبارک اتار کر دوسروں کے لیے بچھا دیتے تھے۔ اگر صحابہ کرام آپ کے احترام میں کھڑے ہوتے تو آپ اس سے انہیں منع فرما دیتے تھے اور فرماتے تھے، ایسا عمل تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

تین چیزیں محبت میں اضافے کا سبب بنتی ہیں... ان سے محبت خالص ہو جاتی ہے۔ جب تم اپنے بھائی سے ملو تو اسے سلام کہو، اسے اپنی جگہ بٹھاؤ، اسے اس نام سے پکارو جو اسے اپنے لیے پسند ہو۔

خندہ پیشانی سے ملنا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔ مسلمان بھائی سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ ان کی اچھی طرح مہمان نوازی کرے۔ مہمان نوازی کا فرض ادا کرنا ایمان اور عقیدے کی درستگی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دلیل ہے۔

اسلام نے اچھی مہمان نوازی پر بہت زور دیا ہے۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ آپس کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ دلوں میں محبت کی جڑیں گہری ہوتی ہیں، کینے کا خاتمہ ہوتا ہے۔ مہمان نوازی کے آداب میں بنیادی بات یہ ہے کہ خلوص بڑھتا جائے۔ محبت سچی ہو، احسان نہ جتایا جائے۔ ریاکاری سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ مسلمان جو کچھ خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اسی کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو لوگ اپنے مال خالص اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد ان کا احسان نہیں جتلاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں تو ان کا اجر اُن کے رب تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔ انہیں خوف ہوگا نہ غم۔ اچھی بات اور بخشش کی طلب اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ بے پروا اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتلا کر یا تکلیف دے کر ضائع نہ کرو جس طرح وہ شخص اکارت کر دیتا ہے جو لوگوں کو دکھلانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پتھر پر مٹی پڑی ہوئی ہو

،اوپر سے موسلا دھار بارش برسے اور اسے بالکل صاف کردے۔اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے کاموں کا کچھ ثواب حاصل نہیں کرسکیں گے۔اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

دوسری طرف اسلام ہمیں بدکلامی اور بداخلاقی سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بد کلام اور بداخلاق شخص کو پسند نہیں کرتا... اور یہ بھی تعلیم دیتا ہے ظلم سے بچو، کیونکہ قیامت کے دن ظلم بے شمار اندھیروں کا سبب بن جائے گا۔حرص سے بچنے کی بھی تعلیم دیتا ہے، کیونکہ حرص نے پہلے لوگوں کو آپس میں خون ریزی کرنے اور رشتے ناطے توڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

پھر حرص کا اثر ایک شخص تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسرے لوگوں تک بھی پہنچتا ہے۔حرص کا جذبہ معاشرے میں اختلافات اور لڑائیاں پیدا کرتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حرمتوں کا احترام باقی نہیں رہتا، رشتے ناطے ٹوٹ جاتے ہیں اور لوگوں میں بغض اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

محبت کو بڑھانے میں دعوت کا بھی اہم کردار ہے۔دوسروں کی دعوت کرنی چاہیے اور دعوت قبول کرنی چاہیے۔اسی طرح اخوت اور محبت کے جذبے فروغ پاتے ہیں اور رشتے ناطے پکے ہوتے ہیں۔دعوت قبول کرنا مسلمان پر فرض ہے، اس میں تواضع اور نرم دلی کارفرما ہوتی ہے۔محبت مضبوط ہوتی ہے اور دوستی خالص اور بے غرض ہو جاتی ہے۔

ایک دوسرے کی مدد کرنے سے بھی محبت بڑھتی ہے۔مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرماتا ہے، جو کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی ہولناک پریشانیوں میں سے ایک بڑی پریشانی اس سے دور فرما دے گا۔اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔یہ بھی اپنے بھائی کی مدد ہے کہ اس پر ظلم ہو تو اس کا دفاع کرے۔اس کا حق چھینا جائے تو اسے حق دلوائے۔اس پر قرض ہو تو اس کی جگہ خود ادا کرے۔اسے غم و فکر ہو تو اس کے ازالے کی کوشش کرے۔اسے تنگی اور پریشانی ہو تو اسے دور کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔آدمی خود تو اکیلا ہوتا ہے مگر دینی بھائیوں کی مدد سے بڑا بھاری بھرکم بن جاتا ہے۔سختی اور پریشانی میں وہ انہیں مددگار پاتا ہے، وہ اس سے ہر ممکن تعاون کرتے ہیں، مصائب میں اسے تنہا نہیں چھوڑتے۔ان حالات میں محبت دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے۔آپس کی دوستی مستحکم ہو کر اخوت کی منزل تک پہنچ جاتی ہے۔

اپنے بھائی سے محبت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اسے اچھا مشورہ دیا جائے۔یہ اس سے سچی محبت اور بے لوث دوستی کا ثبوت ہے۔خیر خواہی کا اثر ایک فرد یا ایک گھرانے پر نہیں۔پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔خیر خواہی ہی سے معاشرہ درست ہوتا ہے۔نیکی تمام ہوتی ہے۔برائی چھپ جاتی ہے۔انصاف پھیل جاتا ہے۔ظلم ختم ہو جاتا ہے۔نیکی کی شان ظاہر ہوتی ہے اور برائی ختم ہونے لگتی ہے۔نیک طبیعت انسان کو قوت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے اور باطل پرست لوگ رسوا ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے خیر خواہی کا طلب گار ہو تو وہ اس کی خیر خواہی کرے۔اپنے مسلمان بھائیوں سے خیر خواہی یہ بھی ہے کہ انہیں نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے۔انہیں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ اللہ کے غضب کے مستحق نہ ٹھہریں۔مطلب یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بدولت امت کو بہتری اور خیر حاصل ہوتی ہے، برائی رک جاتی ہے اور ظلم و زیادتی ختم ہو جاتی ہے۔میرے عزیز... یہ تھی تفصیل محبت کی... اب میں آپ کے والی محبت کی طرف آتا ہوں... یعنی آج کل کے نوجوانوں کا جو محبت مسئلہ ہے، اس پر بات شروع کرتا ہوں... یہ کہتے ہوئے عبدالکریم صاحب ذرا دیر کے لیے رکے تو حسن بول اٹھا:

''میں یہی سوچ رہا تھا... اب تک اس محبت کا ذکر تو آیا ہی نہیں... جو میرا مسئلہ بنی ہے۔'' یہ کہتے وقت وہ اداس انداز میں مسکرایا۔

''محبت کے موضوع پر سیر حاصل بات کرنے کے بعد ہی میں اس پہلو کی طرف آ سکتا تھا... خیر... سنیں۔'' انہوں نے کہا۔

اور دونوں ہمہ تن گوش ہو گئے...

• ● •

گیارھواں باب

''اسلام پاکیزہ دین ہے۔ مثالی معاشرہ تشکیل دینے کا خواہش مند ہے، ایسا معاشرہ جس میں طہارت اور نظافت کی فضا ہو۔ ایسا معاشرہ تشکیل دے کر اسلام اخلاق اور عادات کو جذبات اور شہوات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے لیے اسلام ضروری ضابطے وضع کرتا ہے۔ یہ ضابطے معاشرے کے لیے نیک بختی اور امن واطمینان کے ضامن ہیں۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ جذبات کو کھلا چھوڑ دینے سے جنسی آزادی کی فضا ہموار ہوتی ہے۔ جنسی آزادی کا لازمی نتیجہ اخلاق کی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس سے امتیں ہلاک ہوتی ہیں۔ اس لیے اسلام معاشرے میں صالح قوت اور بقا کے عناصر کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسے قوانین وضع کرتا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں تا کہ مسلمان ایسی ازواجی زندگی میں نہ پھنس جائیں جو جسم اور روح کے تقاضوں میں تناقض پیدا کر دے۔

اسلام نے انسانی طبیعت کے مطابق اخلاقی ضابطے متعین کیے ہیں۔ اس نے انسان کے جسمانی اور روحانی تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، اسی لیے اسلام کا طریقہ کار دیگر مذاہب اور ادیان سے منفرد ہے، اسلام سے انسانی زندگی بہترین انداز میں منظم ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانیت گمراہی اور جدیدیت کی تباہ کاریوں سے بھی محفوظ رہتی ہے۔

محبت انسان کی تمام فطری عادات میں سے انتہائی قوی اور اثر انگیز عادات ہے۔ اس کے اثرات انسانی زندگی میں بہت دور رس ہیں۔ ہم یہاں جس محبت پر بحث کرنا چاہتے ہیں، اسے جذباتی یا چہرے کا عشق کہا جاتا ہے۔

اسلام اس قسم کی محبت کا یکسر انکار نہیں کرتا، کیونکہ یہ بہرحال ایک واقعاتی حقیقت ہے، لیکن وہ اس کے لیے ایک اخلاقی بندھن تجویز کرتا ہے۔ اس بندھن کو ہم نکاح کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جذباتی محبت کو ایک حقیقت واقعہ ہی کے طور پر لیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ واقعہ ہے:

ایک باندی کا غلام شوہر اپنی بیوی کا شیدائی تھا۔ جب کہ لونڈی اس سے نفرت کرتی تھی۔ غلام اس کے پیچھے پیچھے روتا جا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو بہت متاثر ہوئے۔ آگے بڑھ کر لونڈی سے بات کی اور غلام کی اس سے سفارش کی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس واقعے کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنھا کے خاوند غلام تھے۔ ان کا نام حضرت مغیث رضی اللہ عنہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اب بھی وہ منظر دیکھ رہا ہوں، وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنھا کے پیچھے پیچھے مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومتے پھر رہے تھے۔ ان کے آنسو ڈاڑھی پر بہہ رہے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''اے عباس! کیا تمہیں تعجب نہیں کہ مغیث کو بریرہ سے کس قدر محبت ہے اور بریرہ کو مغیث سے کتنا بغض ہے؟''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا:

''اگر تو اسی کے گھر میں ہی آباد رہے تو کتنی اچھی بات ہے۔''

اس پر حضرت بریرہ رضی اللہ عنھا نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے حکم دے رہے ہیں یا سفارش فرما رہے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں سفارش کر رہا ہوں۔''

اس پر حضرت بریرہ رضی اللہ عنھا نے کہا:

''پھر مجھے ان (کے ساتھ رہنے) کی ضرورت نہیں۔''

بعض علما نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبۂ محبت کو بُرا نہیں سمجھا بلکہ اس کی تصویب فرمائی، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک دامنی کے پیش نظر محبت کو شرعی رخ دینے کی کوشش کی، اسی لیے تو انھیں بیوی بن کر رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

رفاہی سرور اس کے بارے میں کہتے ہیں:

''اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے اس واقعہ محبت کی تصویب فرمائی گئی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس غلام صحابی کی حالت پر تعجب تو کیا۔ انکار نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے ان صحابیہ سے سفارش بھی کی کہ وہ نکاح برقرار رکھیں، البتہ اس لونڈی نے آپ کی سفارش قبول نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اس کے جذبات کا احساس فرماتے ہوئے اسے مجبور نہیں کیا۔

انسان بے روح نہیں، بے بدن بھی نہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ عقل کی وجہ سے تمام مخلوقات سے ممتاز ہے، اسی لیے دیگر تمام مخلوقات سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔

انسان کے بدن میں بہت سے فطری جذبات اور احساسات ہیں۔ ان کی بنیاد پر انسانی شخصیت بنتی ہے۔ ان جذبات میں سب سے اہم فطری چیز محبت ہے۔ اس کے بہت سے عوامل اور اسباب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں یہ خصوصیت رکھی ہے کہ ملتی جلتی چیزوں میں مناسبت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے، ہر چیز اپنے موافق کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور مخالفت سے گریز کرتی ہے، لہٰذا امتزاج اور اتصال کا سبب باہمی تناسب اور یکسانیت ہے۔ فرق اور فاصلے کا سبب تناسب اور یکسانیت کا فقدان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر اور کارِ تخلیق میں یہی اصول کارفرما ہے کہ ہر چیز اپنی جیسی چیز کی طرف رجحان اور میلان رکھتی ہے اور اپنے مخالف سے دور بھاگتی ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک جنس سے پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اسے سکون و اطمینان حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جوڑے کے سکون کا سبب یہ بتا دیا ہے کہ وہ ہم جنس ہوتے ہیں، لہٰذا سکون کا سبب دراصل ان کا ہم جنس ہونا ہے اور یہ سکون محبت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ معلوم ہوا، محبت کا سبب خوب صورتی نہیں، نہ ارادے کا اتفاق ہے بلکہ محبت صرف ہم جنس کی طرف میلان اور رجحان کا نام ہے۔

زندگی میں محبت کی زبردست اہمیت ہے۔ اس کا اثر نہایت عظیم الشان ہے۔ محبت کے زیر اثر یہ نوبت بھی آجاتی ہے کہ انسان اس جذبے کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے اور اپنے بلند مقاصد کو بھی فراموش

کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے محبوب ہی کے مدار میں گردش کرتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز کو دیکھتا ہے، نہ سنتا ہے بلکہ اصل مقصدِ زندگی، عبادت سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔

پس فاسد عشق آدمی کی دنیا بھی خراب کرتا ہے اور آخرت کے لیے بھی شدید نقصان دہ ہے، کیونکہ وہ انسان کو اپنے پروردگار کی عبادت سے غافل اور اس کے دینی فرائض سے دور کرتا ہے۔

آدمی اس فاسد محبت سے اپنے دل و دماغ کو ایک اور عظیم تر محبت کی مدد سے بچا سکتا ہے جو اسے نیکی، ہدایت، تقویٰ اور پاک بازی عطا کرے گی... اور وہ ہے، اللہ کی محبت۔ انسان کسی محبوب چیز کو نہیں چھوڑ سکتا مگر اس سے زیادہ محبوب چیز کے ذریعے سے یا کسی شدید اذیت کے ڈر سے۔ پس دل کو فاسد محبت سے محفوظ رکھنے کے لیے صحیح محبت یا کسی شدید نقصان کا اندیشہ ضرور لاحق رہنا چاہیے۔

فاسد عشق کے خاتمے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت کا عادی بنائے اور اپنا دل فاسد محبوب کی تمنا سے خالی کر دے۔

عشق دراصل دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ معشوق کو خوب صورت سمجھنا، دوسرے اس کے حصول کی خواہش کرنا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک چیز بھی ختم ہو جائے تو عشق بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اگر محبت کے دل سے محبوب کے وصال کی خواہش نکال دی جائے تو اس طرح وہ غلطی اور گناہ سے بھی بچ جائے گا اور تکلیف اور نقصان سے بھی محفوظ رہے گا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ محبوب چیزیں تکالیف برداشت کیے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتیں، چاہے محبت صحیح ہو یا فاسد، لہٰذا مال، سرداری اور خوب صورتی سے محبت کرنے والے اپنا نقصان پورا کیے بغیر اپنا مطلوب حاصل نہیں کر سکتے... نہ اس دنیا میں، نہ آخرت میں۔

جی ہاں! جذباتی محبت یعنی عشق کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہٹ جاتی ہے... آپ خود پر غور کریں... کیا آپ اس کیفیت کا شکار رہے ہیں یا نہیں... مخلوقات ہی اس کا محور اور مرکز بن کر رہ جاتی ہے۔ علما نے جذباتی عشق اور محبت کے تباہ کن نتائج کا بخوبی تجزیہ کیا ہے اور اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

شکل اور صورت کا عشق انہی دلوں میں جڑ پکڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں... آپ اپنے دل کو ٹٹولیے... ایسے لوگ اللہ تعالیٰ سے دور ہٹ کر ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے

ہیں۔دوسری طرف جب کوئی دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی ملاقات کے شوق سے بھر جاتا ہے تو اسے کسی صورت کے عشق کی بیماری نہیں لگتی۔عشق دراصل اس دل کی بیماری ہے جو محبت اصلی محبّ یعنی اللہ تعالیٰ کے جمال بے مثال سے خالی ہو۔

معلوم ہوا،نفسانی عشق درحقیقت دل کی بیماری ہے۔اس بیماری کو اللہ تعالیٰ کی خالص محبت سے دور کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت،اس کے احکامات کی پابندی، ہر وقت اس کی یاد اس بیماری کے خاتمے کا بہترین ذریعہ ہے... اور یہ سب بھی اس وقت ہے جب اس کا دل کسی جائز صورت کا عاشق ہو۔اگر کسی کا دل حرام صورت پر عاشق ہو، چاہے وہ کوئی عورت ہو یا بچہ، تو یہ ایک ایسا عذاب ہے جس سے بڑے عذاب کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

شکل اور صورت کا عاشق دراصل اپنے وہم کا شکار ہوتا ہے اور اپنے حواس کے دھوکے میں رہتا ہے... وہ اپنے عشق کے جنون میں اطاعت اور ایمان سے دور بھاگتا ہے۔چہرے کا عاشق جب کسی صورت کا غلام بن جاتا ہے تو ہر قسم کا شر اور دفساد اسے گھیر لیتا ہے۔اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔

ایسا شخص اگر بدکاری سے بچ بھی جائے تب بھی اس کے دل کا ہر وقت شکل وصورت کے تصور میں مگن رہنا کیا کچھ کم نقصان دہ ہے۔گناہ کرنے والا تو ممکن ہے کہ توبہ کرلے اور گناہ کے اثرات سے بچ جائے مگر یہ شکل وصورت کا سودائی تو ہر آن، ہر گھڑی گناہ میں مبتلا رہتا ہے... اور یہ عذاب صرف اس بنا پر ہے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اور وہ خود عبادت سے لاپروا ہے۔

اس بیماری کا سب سے بڑا سبب دل کا اللہ تعالیٰ سے غافل ہونا ہے، کیونکہ دل جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مزہ چکھ لے تو اسے کوئی چیز اس سے بڑھ کر لذت بخش محسوس نہیں ہوتی۔

پھر نفسانی محبت صرف ایک شخص ہی کے لیے بدبختی اور مصیبت کا باعث نہیں، بلکہ اس کا اثر پورے معاشرے میں پھیل جاتا ہے، کیونکہ اس قسم کی محبت پورے معاشرے میں ایک بگاڑ کی کیفیت پیدا کردیتی ہے، بدنظمی اور فضولیات کو جنم دیتی ہے، پورے معاشرے سے اسے الگ کردیتی ہے ...اس طرح محبت اس شخص کو اس کے باطنی خول میں بند کردیتی ہے۔

ایسا آدمی فراعت پسند ہوتا ہے اور نفسیاتی محبت کے احساسات کے ذریعے وہ اپنے محبوب کے قریب ہوتا رہتا ہے، اس کا کوئی اور مقصد تو ہوتا نہیں، اس لیے وہ اسی محبت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ

لیتا ہے۔جب جہالت کا مارا شخص ایسی محبت کا شکار ہوجاتا ہے تو عبودیت کی حد تک محبت کرتا ہے اور جب اس محبت میں ناکام ہوجاتا ہے تو پاگل ہوجاتا ہے یا خودکشی کرلیتا ہے، کیونکہ وہ اپنی زندگی کو صرف اپنی محبت تک ہی محدود سمجھتا ہے،لہٰذا جب کوئی انسان ایسی فاسق محبت کا شکار ہوجاتا ہے تو سب سے بڑا خطرہ ہی یہ ہوتا ہے کہ اب وہ کسی کام کا نہیں رہ جائے گا، کہاں یہ کہ وہ کسی عظیم پیغام کا علم بردار ہو۔

پس جذبۂ محبت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بلند پایہ پیغام سے ہم آہنگ ہو جس کی خاطر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔اگر جذبۂ محبت صرف طبیعت اور شہوت کے زور پر پروان چڑھے گا تو انسان انسانیت سے گر جائے گا اور حیوانیت پر اتر آئے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان بنا کر عزت بخشی ہے اور اپنی مقدس امانت اس کے سپرد کی ہے، پس محبت کرنے والا، محبت کو عفت اور پاکیزگی سے آراستہ رکھے اور شریعت کے مطابق عمل کرے۔

حقیقت، اصل اعتبار اس طریق کار کا ہے جو ایک محبت کرنے والا اختیار کرتا ہے۔بہت ممکن ہے، کوئی محبت کرنے والا، اپنی کم عقلی کی بنیاد پر محبت میں ایسا راستہ اختیار کرلے جس سے مطلوب حاصل نہ ہو، پس قابل تعریف محبت وہی ہوگی جو نیک ہو، نہ کہ وہ جو فاسد ہو اور اس کا راستہ بھی بندگی کی طرح نہ ہو جیسا کہ آج کل مال و دولت، سرداری اور خوب صورتی کے دیوانے عاشق کرتے ہیں۔اس سے انہیں نقصان بھی ہوتا ہے اور مطلوب بھی حاصل نہیں ہوتا۔

عشق کا جذبہ دلوں کا غلام بنالیتا ہے، روح کو قید کرلیتا ہے اور اسے ذلت اور رسوائی کی گہری خندق میں گرادیتا ہے۔جب کسی آدمی کا دل کسی عورت کی محبت میں اٹک جاتا ہے تو اس کا دل اس عورت کا قیدی بن جاتا ہے۔پھر وہ عورت اس کی شخصیت میں اپنی مرضی اور نیت کے مطابق تعریف کرے گی۔دیکھنے میں تو وہ اس عورت کا سردار، خاوند یا مالک معلوم ہوگا مگر درحقیقت وہ اس کا قیدی اور غلام ہوگا۔خاص طور پر اس وقت جب اس عورت کو علم بھی ہو کہ وہ اس کا محتاج اور عاشق ہے اور اس کے بغیر اس کا گزارا نہیں۔اس وقت وہ عورت اس پر ایسے حکم چلائے گی جیسے ایک ظالم سردار اپنے مجبور غلام پر حکم چلاتا ہے بلکہ عورت کا ظلم اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہوگا، اس لیے کہ دل کی اسیری جسمانی قید سے بدتر ہوتی ہے اور دل کی غلامی بدن کی غلامی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔جس کا بدن غلام ہے، مگر دل مطمئن ہے تو اسے کسی کی کوئی پروا نہیں ہوگی بلکہ ممکن ہے، وہ آزادی کا کوئی صلہ

کرے، لیکن جب جسم کا بادشاہ دل ہی غلام بن جائے اور غیر اللہ کا قیدی ہو جائے تو یہ حقیقی ذلت اور قید کا آخری درجہ ہے۔

اب دیکھیے... محبت اگر زندگی میں اس قدر وسیع اثرات رکھتی ہے تو ضروری ہے کہ اس محبت کا علاج کر کے اسے صحیح رخ پر ڈال دیا جائے اور اس روحانی علاج کی بنیاد درحقیقت ان عناصر کی اصلاح ہے جن سے محبت کے جذبے پھوٹتے ہیں۔ وہ عناصر یہ ہیں:

محبوب کی شخصیت سے مرعوب ہونا جس کی وجہ سے محبوب کو انسانی کمال کا مجسمہ سمجھتا ہے۔

دوستی برقرار رہنے کی امید۔

محب اور محبوب کے باہمی راز، کیونکہ انہی کی بنیاد پر ان میں تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔

محب یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ساری خوش نصیبی محبوب سے تعلق قائم ہونے پر موقوف ہے۔

ان چاروں عناصر کا مقابلہ اس طرح کیا جائے کہ محبت کرنے والے کے سامنے اس کے محبوب کے عیب اور نقائص اس طرح بیان کیے جائیں کہ اس کے ذہن نشین ہو جائیں... دوسرے عنصر کا مقابلہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اسے ناامید کر دیا جائے، کیونکہ شرعی لحاظ سے ایسے تعلقات قائم نہیں رکھے جاسکتے... تیسرے عنصر کے مقابلے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے باہمی راز دوسرے لوگوں کے سامنے فاش کر دیے جائیں۔

آخری عنصر سے بچاؤ کی تدبیر یہ ہے کہ ان نقصانات کو اجاگر کیا جائے جو اس دوستی کے نتیجے میں لامحالہ پیدا ہوں گے، مثلاً بے چینی، عقل کی ویرانی ذہنی خلجان، دل کی تکلیف اور ہر آرام اور راحت سے محرومی۔

باقی رہا عاشق کا یہ سمجھنا کہ اس کی ساری خوش نصیبی محبوب سے تعلقات استوار ہونے میں ہے، تو اس کا مؤثر حل یہ ہے کہ فوری طور پر کسی نیک مسلمان عورت سے اس کی شادی کر دی جائے تاکہ وہ عورت اس کی نظروں میں ماند پڑ جائے۔

دانش وروں نے عشق کو قابل علاج مرض قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کی کئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ اگر شرعی طور پر عاشق کو وصال محبوب مہیا کیا جاسکتا ہے تو اس کا مہیا ہو جانا ہی اس کا علاج ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

''نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کر سکتا ہے، وہ ضرور کر لے اور جو نکاح نہیں کر سکتا، وہ روزے رکھا کرے، کیونکہ اس سے بھی شہوت ٹوٹ جائے گی۔

اس کا مطلب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے مریض کے لیے دو علاج تجویز فرمائے ہیں۔ ایک اصل، دوسرا اس کا متبادل۔ یہ آپ نے اصلی علاج ہی کا حکم دیا جو اس بیماری کی شفا ہے، چنانچہ جہاں یہ ممکن ہے، اس علاج میں سستی نہ کی جائے۔ اور اگر شرعی طور پر یا معاشرتی لحاظ سے عاشق کے لیے وصال محبوب ممکن نہیں تو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ اسے یکسر مایوس کر دیا جائے، کیونکہ جب دل کسی چیز سے مایوس ہو جائے تو پھر اسے چھوڑ دیتا ہے، اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا۔

تیسرے یہ کہ اگر ناامیدی کے باوجود عشق کی بیماری جان نہ چھوڑے تو سمجھ لیجیے کہ اس میں گمراہی سرایت کر چکی ہے۔ اس کا علاج عقلی کیا جائے۔ یعنی اسے سمجھایا جائے کہ جس چیز کے ملنے کا کوئی امکان ہی نہیں، اس کی تمنا کرنا دیوانے کا خواب ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو سورج سے عشق رکھتا ہے... اور اس کی روح سورج کے ساتھ مل کر آسمانوں میں گردش کرنے کی خواہش رکھتی ہے، ظاہر ہے کہ ایسا شخص تمام سمجھدار لوگوں کے نزدیک پاگل ٹھہرے گا۔

چوتھے یہ کہ محبوب کا وصال شرعاً ناممکن ہے، لیکن محبت کرنے والا اسے حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اسے بتایا جائے کہ جس چیز کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہو، اس کا خیال چھوڑ ہی دینا چاہیے۔ انسان کی کامیابی اور اس کی بیماری کا علاج اس چیز سے دور رہنے ہی میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ محبت کا مریض اپنے دل کو سمجھائے، خود کو یقین دلائے کہ اللہ رب العزت کے منع کردہ امور کی حیثیت بھی ناممکنات میں سے ہے۔ اس پر بھی اس کا نفس امارہ نہ مانے تو اسے احساس دلانا چاہیے کہ فانی محبوب کے لمحاتی وصل کے مقابلے میں وہ انتہائی اعلیٰ وارفع ہمیشہ قائم محبوب کے جمال سے محروم ہو جائے گا۔

عقل مند آدمی جب دیکھے گا کہ ایک فانی محبوب کے واصل کی وجہ سے ایک لامتناہی حسن و جمال اور بے پایاں عظمتوں والے محبوبِ حقیقی کو کھو دے گا تو وہ یقیناً سنبھلے گا۔ عارضی لذت کے لیے نہایت بلند دائمی لذت کو ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ اس میں طرح طرح کی تکالیف ہیں۔ لمحاتی لذت کی حقیقت خواب و خیال سے زیادہ نہیں۔

پس محبت میں مبتلا شخص کا مرض یہ ہے کہ وہ پاک بازی اور صبر کا دامن نہ چھوڑے۔ یہاں تک

کہ اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کا خاتمہ فرما دے... یا وہ اپنا گوہرِ مقصود ہی حاصل کر لے۔

اس سلسلے میں عاشق حضرات ایک حدیث بیان کرتے نظر آتے ہیں۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"جسے عشق ہو گیا، لیکن اس نے اسے چھپائے رکھا اور پاک باز رہا اور مر گیا تو وہ شہید شمار ہو گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت نہیں۔ عقلاً بھی ممکن نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایسے الفاظ ارشاد فرمائے ہوں۔ شہادت تو بہت بلند اور گراں مایہ چیز ہے، جب کہ عشق تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں شرک ہے۔ عشق اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہے۔ عشق کے روگ میں انسان کے دل اور دماغ غیر اللہ کے غلام بن جاتے ہیں... بھلا عشق شہادت کا درجہ پانے کا سبب کس طرح ہو سکتا ہے۔ عشق تو دل کو حد درجے فاسد کر دیتا ہے۔ یہ بہت بڑا نشہ ہے۔ یہ روح کو مدہوش کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی لذت ختم کر دیتا ہے۔ دل کو غیر اللہ کا غلام بنا دیتا ہے۔ یہ کس قدر ذلت کی بات ہے کہ عاشق کا دل اپنے معشوق کی پوجا کرتا ہے اور محبوبِ حقیقی کی ذات کو بھول جاتا ہے، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ دل کو غیر اللہ کی غلامی میں دے کر انسان شہید کا درجہ حاصل کر لے۔

یہ ناممکن بات ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہر اس شخص کے بارے میں جو اپنا عشق چھپاتا ہے اور پاک باز رہتا ہے، شہادت کا حکم لگا دیں... یعنی ایک شخص کسی کی بیوی پر عاشق ہو جائے یا خوب صورت بچوں اور بدکار عورتوں پر فریفتہ رہے اور اپنے عشق کی بدولت شہید کا درجہ حاصل کر لے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے دین کی رو سے ایسی تعجب خیز بات ممکن نہیں، عشق تو خود ایک بیماری ہے... اس بیماری کی دوا تو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں تجویز فرما دی ہے۔

جن بیماریوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے شہادت کا حکم لگایا ہے، وہ طاعون، اسہال، جنون، آگ میں جل جانا، غرق ہو جانا اور دردِ زہ کی بنا پر زچگی میں وفات ہیں۔ یہ ایسی آفات ہیں جن میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ نہ ان کا کوئی علاج ہے۔ نہ ان کے اسباب حرام ہیں۔ نہ ان سے طبیعت کی ویرانی، دل کی خرابی یا غیر اللہ کی غلامی کا خدشہ ہے... جو کہ عشق کی بیماری کے لازمی نتائج ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ کسی بھی امامِ حدیث نے اس حدیث کو صحیح یا حسن نہیں کہا۔ آپ یہ حقیقت

اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس دنیا کی زندگی آخرت کی تیاری کے لیے دی گئی ہے۔ اس لیے اس زندگی کا ہر لمحہ اللہ رب العزت کی اطاعت میں بسر کرنا چاہیے۔ یہ زندگی بہت قیمتی ہے۔ اس میں نیکی کے کام انجام دے کر آخرت میں جنت جیسی بے مثل نعمت حاصل کی جا سکتی ہے، اسے فانی چیزوں میں فدا ہونے میں برباد کرنا دیوانگی ہے۔

یہ دیکھ کر دل دکھتا ہے کہ اکثر نوجوان اسی دیوانگی کا شکار ہو کر جگہ جگہ خوار ہو رہے ہیں، اپنے مستقبل کو تباہ کر رہے ہیں۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کا صحیح طریقہ یہ ہے...

گناہ کی زندگی سے پختہ توبہ کریں، کسی نیک گھرانے میں فوراً شادی کریں اور یہ بات یاد رکھیں کہ ہماری محبت کا مرکز صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کے جمال بے مثال سے بڑھ کر اور کس کی خوب صورتی ہو سکتی ہے جس پر انسان لٹو ہو۔ بے وفا چیزوں کی چمک دمک پر شیدا ہو جانا خود داری کی توہین ہے۔ آوارہ حسن سے ہمیشہ دور بھاگیں۔ جس محبت میں آپ مبتلا ہیں، اس سے آج اور اسی وقت ہر قسم کا تعلق ختم کر دیں... اس کی طرف مت دیکھیں... اس کے گھر کے قریب بھی نہ پھٹکیں... کسی سے اس کا تذکرہ نہ کریں... اس کا خیال تک دل میں نہ لائیں... اپنے باطن میں تبدیلی لائیں... اس طرح بدل جائیں جیسے موسم بدل جاتا ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے... اور تو ساری تدبیریں کی جا سکتی ہیں، لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ دل میں اس کا خیال بھی نہ آئے۔

یہ ٹھیک ہے، خیال آئے گا، لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ خیال آتا ہے تو آنے دیں... البتہ خود قصداً اس کا خیال دل میں نہ لائیں... جب خود بخود خیال آ جائے تو اسے فوراً ذہن سے جھٹک دیں، کسی اچھے اور مفید کام میں مشغول ہو جائیں... اس تدبیر پر خوب جم کر پابندی کرتے رہیں، اللہ رب العزت سے نیکی کی زندگی کی توفیق مانگتے رہیں۔ اور یہ بات یاد رکھیں، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل... چند ہفتے نہیں گزریں گے کہ اس کا خیال تک آنا بند ہو جائے گا... درحقیقت اس بیماری کا اصلی علاج پوری استقامت سے فاسد محبوب سے مکمل طور پر دور رہنا ہے... جتنی زیادہ دوری ہو گی ... شفا اسی قدر جلد نصیب ہو گی... اور میرے عزیز میری اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے، گویا صرف اپنے لیے پیدا کیا ہے، لہٰذا ہمیں محبت بھی اسی سے ہونی چاہیے... اللہ تعالیٰ کے بعد محبت کرنے کا حق ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے

کرنے کا ہے... یعنی اس دنیا کے لحاظ سے ہمیں سب سے زیادہ محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہیے... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے محبت ہونی چاہیے... اسی طرح درجہ بہ درجہ محبت ہوگی... یہاں تک کہ اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور اپنے دوسرے رشتے داروں سے محبت ہوگی، لیکن جس محبت میں آپ گھرے ہوئے ہیں... اسلام میں اس کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں... ہاں عورت سے محبت بیوی کی صورت میں ہوگی... جب تک عورت تمہاری بیوی نہیں، اس وقت تک اس سے محبت کا کوئی جواز نہیں... یہ تھی میری گذارشات... آپ دراصل اللہ تعالیٰ سے بالکل کٹ کر زندگی گزار رہے ہیں... اس لیے آپ کو سوائے عنبر کے اور کچھ بھائی نہیں دیتا لیکن... جب آپ اللہ کے ہو کر رہیں گے... سب کچھ اللہ کے لیے کریں گے... تب دیکھیے گا... اس جینے کا مزہ ہی اور ہوگا... اس وقت آپ کو معلوم ہوگا... یہ زندگی دراصل کسی اچھی خاتون کا ہو کر رہ جانے کا نام نہیں... زندگی کے تو بے شمار تقاضے ہیں... ہماری بہت سی معاشرتی ذمے داریاں ہیں... لنڈوروں کی طرح پھرتے رہنا زندگی نہیں ہے... آپ چند دن ہمارے ساتھ گزاریں... مسجد میں رہ کر اللہ سے لو لگائیں... اللہ کا کلام سنیں... آپ کو معلوم ہوگا... آپ صحرا میں بھٹکتے رہے ہیں... منزل تو آپ کو اب ملی ہے... چند دن بعد ہم پھر اس موضوع پر بات کریں گے... یہاں تک کہہ کر مولانا عبدالکریم خاموش ہو گئے۔

''جی کیا مطلب... پھر اس موضوع پر بات کریں گے...'' حسن چونک اٹھا۔

''ہاں! اس سلسلے میں ہمارا اصل کام تو اب شروع ہوگا... ابھی تو ہم نے آپ کی کہانی سنی ہے، آپ نے یوسف سلیم کی کہانی سنی ہے... آپ کی کہانی ختم نہیں ہوئی... اس کہانی کو کسی کنارے پر تو پہنچانا ہوگا۔'' عبدالکریم مسکرائے... یوسف سلیم بھی بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔'' حسن کے لہجے میں الجھن تھی۔

''خود کو الجھانے کی ضرورت نہیں... ہم آپ کے دوست ہیں... ہمیں آپ سے محبت ہے... اس محبت کا حق ادا کریں گے... کیوں میرے عزیز یوسف سلیم!''

''جی بالکل۔'' اس نے فوراً کہا۔

اسی وقت اذان کی آواز گونجنے لگی...

''وہ دیکھیے... اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آگیا... آیئے چلیں... پہلے نماز ادا کریں گے۔''

وہ اٹھ کھڑے ہوئے... پندرہ دن بعد اسی کمرے میں ان کی پھر میٹنگ ہوئی... اس وقت یوسف سلیم نے حسن سے پوچھا:

''سناؤ حسن! یہ پندرہ دن کیسے گزرے... اب تمہارے محسوسات کیا ہیں۔''

''اللہ کا شکر ہے... یہ دن میری زندگی کے انوکھے دن تھے... میں نے ایک نئی دنیا میں گزارے... ان پندرہ دنوں میں بھی جو لمحات اللہ کے گھر میں گزرے... ان کی کیفیت تو میں بیان ہی نہیں کر سکتا... زندگی میں پہلی بار تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا احساس بیدار ہوا ہے... ابھی تو پتا چلا ہے... محبت کیا ہے...''

''تب پھر اب جو ہم کہتے ہیں... آپ کو وہ کرنا ہوگا...'' عبدالکریم یک دم بول پڑے۔

''جی... کیا مطلب؟'' حسن کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

•●•

بارھواں باب

یوسف سلیم نے عبدالکریم کی طرف اور انہوں نے یوسف سلیم کی طرف دیکھا... پھر دونوں بھرپور انداز میں مسکرا دیے:

''ہم تمہیں ایک جگہ لے جانا چاہتے ہیں... تم بس کچھ نہیں پوچھو گے... اور ہمارے ساتھ چلو گے... ''

''میں... میں سمجھا نہیں۔'' حسن نے گھبرا کر کہا۔

''میں نے کہا نا... تم کوئی سوال نہیں کرو گے... بس ہمارے ساتھ چلو گے۔''

''جی... جی اچھا۔''

اور پھر وہ یوسف سلیم کی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے... آدھ گھنٹے بعد ان کی کار ایک کوٹھی کے سامنے رکی... اس وقت حسن نے حیران ہو کر کہا:

''ارے! یہ تو آپ مجھے انکل ڈاکٹر عدنان منیر کے گھر لے آئے۔''

''ہاں! ہمیں آپ کو یہیں لانا تھا۔'' عبدالکریم بولے۔

پھر یوسف سلیم نے نیچے اتر کر دروازے کی گھنٹی بجائی... دروازہ فوراً ہی کھلا اور ڈاکٹر عدنان منیر باہر نکلے:

''السلام علیکم۔'' انہوں نے پرسکون آواز میں کہا... ان کے لہجے میں کوئی حیرت نہیں تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' ان تینوں نے جواب دیا۔

''انکل عدنان منیر ہمیں دیکھ کر حیران نہیں ہوئے... گویا انہیں معلوم تھا... ہم آ رہے ہیں۔''

''ہاں حسن! یہ ملاقات پہلے ہی طے کر لی گئی تھی۔''

''اوہ... اوہ... اچھا۔'' وہ بولا۔

''آیئے۔'' ڈاکٹر عدنان منیر بولے۔

پھر وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئے:

''ڈاکٹر صاحب... ہم آپ کے صاحب زادے کو لے آئے ہیں... دیکھ لیں... یہ بالکل صحیح سلامت ہیں... کہیں سے ٹوٹے پھوٹے نہیں ہیں۔'' عبدالکریم نے مسکرا کر کہا۔ ''اللہ کا شکر ہے۔''

''کیا ہم انہیں اپنا پروگرام بتا دیں۔'' عبدالکریم نے پوچھا۔

''ہونا تو یہی چاہیے۔''

''اچھی بات ہے... بھئی حسن... ہم سب نے مل کر آپ کا رشتہ طے کر دیا ہے۔''

''کیا کہا... رشتہ طے کر دیا ہے۔'' مارے حیرت کے حسن کے منہ سے نکلا۔

ایسے میں دروازے کی گھنٹی بجی:

''شاید نکاح کے لیے بلائے گئے مہمان آ گئے۔''

''مہمان!'' مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں! مہمان... میں انہیں اندر لے آتا ہوں... '' یہ کہ کر یوسف سلیم اٹھا اور باہر نکل گیا... وہ واپس پلٹا تو یہ دیکھ کر حسن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس کے ساتھ میجر محمد صادق، عباس میاں اور سردار خالد صاحب چلے آ رہے تھے۔ اسے میجر محمد صادق کو دیکھ کر حیرت کا ایک جھٹکا لگا جب کہ وہ مسکرا رہے تھے... ان کے چہرے پر بھی ڈاکٹر عدنان منیر کی طرح حیرت بالکل نظر نہیں آئی تھی۔

''السلام علیکم انکل۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''وعلیکم السلام... کیسے ہو حسن... بہت مدت بعد ایک بار پھر تمہیں دیکھ رہا ہوں... تاہم بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہوں۔''

''لیکن یہ سب کیا ہے... لگتا ہے، آپ سب نے مل کر میرے خلاف کوئی سازش کی ہے۔''

''حسن تم اسے سازش کہہ سکتے ہو... لیکن پیار بھری سازش۔'' عبدالکریم بولے۔

''مہربانی فرما کر وضاحت کر دیں۔'' اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''وضاحت کیسی... بس! تمہارے نکاح کا پروگرام ہے... ہم نے تمہارے لیے ڈاکٹر صاحب سے ان کی بڑی بیٹی کا رشتہ مانگا تھا... انہوں نے فوراً ہاں کہہ دی... تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''اعتراض... میں حیران ہوں... آپ لوگوں نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''بس ہم سب نے مل کر یہ پروگرام اسی طرح طے کیا ہے۔'' یوسف مسکرایا۔

''آپ سب نے... سب سے تمہاری کیا مراد ہے یوسف۔'' حسن کی حیرت جوں کی توں تھی۔

”بھئی یہاں جتنے لوگ موجود ہیں... ان سب کی بات کر رہا ہوں۔“

”تت... تمہارا مطلب ہے... اس پروگرام کے طے کرنے میں انکل میجر بھی شریک ہیں۔“

”ہاں! بالکل!“

ایک لمحے کے لیے حسن کا جی چاہا... وہ ان سے پوچھ لے... عنبر کا کیا بنا... کیا اس کا کہیں رشتہ کر دیا گیا ہے... لیکن پھر اسے یاد آیا... محبت کا عنوان تو اب اس کی سمجھ میں آ گیا ہے، وہ جان گیا ہے... محبت کیا ہے... اور جس محبت میں وہ الجھا تھا... اس کی حقیقت کیا ہے... پل بھر میں اس کے سامنے وہ ساری باتیں گزر گئیں... جو یوسف سلیم نے اور اس کے بعد عبدالکریم صاحب نے کی تھیں۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

”محبت کرنے کے لائق ذات تو بس اللہ رب العزت کی ہے... ہماری محبت کا مرکز تو بس اسی کی ذات ہے... اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی سے محبت کی جا سکتی ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس محبت کے حق دار ہیں... آپ کے بعد اگر کسی سے محبت کی جا سکتی ہے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے... پھر ماں باپ کا نمبر ہے... اور ہاں... بیوی اور بچوں سے بھی محبت ہوتی ہے... لیکن جس محبت میں وہ گھرا ہے... اس محبت کا تو گویا کوئی وجود ہی نہیں... یہ سب ایک لمحے میں اس کے دماغ میں آ کر گزر گیا... اس کے ہونٹ ہلے:

”مم... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

اس کا جواب سنتے ہی سب چہروں پر پرسکون مسکراہٹیں تیر گئیں... انہیں یوں لگا جیسے سروں سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا ہو... دوسری طرف حسن نے جونہی یہ جملہ کہا... اس نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا... وہ بھی مسکرانے لگا۔

اس موقعے پر میں بھی کچھ کہنا چاہوں گا۔“ سردار خالد کی آواز سنائی دی۔

وہ سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے:

”سیما کی وفات کے بعد اب میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے... ادھر حسن کے والدین اب اس دنیا میں نہیں ہیں... لہٰذا اب میرا گھر حسن کا گھر ہوگا... یہ اپنی دلہن کے ساتھ وہاں رہے گا... اس کے ساتھ ساتھ میرا گھر یوسف سلیم کا بھی ہوگا... “

”میرے تو والدین ابھی دنیا میں موجود ہیں... لہٰذا آپ کو حسن مبارک... ہو۔“ یوسف سلیم

نے جلدی سے کہا۔

”اچھا خیر... یونہی سہی... لیکن تم بھی اس گھر کے برابر کے حق دار ہو... یہ تم ہی تو ہو... سیما کی وفات کے بعد جس نے مجھے سہارا دیا۔“

”ٹھیک ہے... آپ فکر نہ کریں۔“

”تب پھر... کیا اب نکاح پڑھا جائے۔“

”اگر حسن کو کسی خاص تقریب کے لیے برپا کرنے کی خواہش ہو تو ہم نکاح ایک دو دن کے لیے مؤخر کر سکتے ہیں اور جس قسم کا فنکشن حسن چاہے... اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔“ سردار خالد کی آواز سے محبت ہی محبت ٹپک رہی تھی۔

”میرے دل کی دنیا اب بدل چکی ہے... شریعت کے دائرے میں رہ کر جو کچھ کیا جا سکتا ہے، بس وہی کریں گے... مولانا عبدالکریم یہاں موجود ہیں... یہ بتا دیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے... ہم کیا کر سکتے ہیں... “

”اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکی والوں کے ذمے تو باراتیوں کو کھانا کھلانا ہے ہی نہیں... ہاں ولیمہ کرنا سنت ہے... وہ سردار خالد کے ہاں ہوگا... گویا یہاں تو بس نکاح کی تقریب ہوگی اور اس کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں... آپ اجازت دیں تو میں نکاح پڑھا دیتا ہوں۔“

”تب پھر بسم اللہ کریں... “

”ایک منٹ اس وقت یہاں یوسف سلیم کے والدین نظر نہیں آ رہے... نہ ان کے گھر کے دوسرے افراد ہیں... کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ انہیں بھی بلا لیا جاتا۔“

”میرے گھر کے افراد پہلے ہی اندر پہنچ چکے ہیں... البتہ آج میرے والد یہاں نہیں آ سکے... ان کی طبیعت خراب ہے۔“

”اوہ... مطلب یہ کہ آپ ہر طرح سے تیاری مکمل کر چکے ہیں اور اس کے بعد ہی مجھے یہاں لایا گیا ہے۔“ حسن کے لہجے میں ایک بار پھر حیرت در آئی۔

”تمہارا اندازہ بالکل درست حسن... اندازے لگانے میں تو تم بہت ماہر ہو... عبدالکریم صاحب... نکاح شروع کریں۔“

اور عبدالکریم صاحب خطبہ نکاح پڑھنے لگے:

•●•

تیرھواں باب

نکاح کے کچھ دیر بعد ہی دلہن کو سردار خالد کی کار میں بٹھا دیا گیا... دلہن کے ساتھ ایک اور خاتون کو بٹھایا گیا... حسن اور سردار خالد اگلی سیٹوں پر بیٹھے... کار سٹارٹ ہوئی۔انہوں نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلائے اور کار چل پڑی۔

حسن اس وقت ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہا تھا۔ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا... اس کی دلہن کے ساتھ کون خاتون جا رہی ہیں... یہ تو خیر اسے معلوم تھا... دلہن کے ساتھ دلہن کے گھر والے کسی خاتون کو ساتھ بھیجا کرتے ہیں تا کہ نئی جگہ دلہن گھبراہٹ کا شکار نہ ہو... اور یہ خاتون ضرور اسی مقصد کے لیے ساتھ بھیجی گئی ہے... لیکن یہ ہے کون... وہ بھلا کیسے پوچھ سکتا تھا... پھر اس نے سر کو جھٹکا دیا اور خود سے کہا:

''بھلا مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی کیا ہے... ارم خود ہی بتا دے گی۔''

اس کی زندگی کی وہ رات حد درجے پرسکون، خوب صورت اور دل کشی سے بھرپور ثابت ہوئی... وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا... اس کی محبت کا یہ انجام بھی ہو سکتا ہے... اس نے تو کبھی سوچا تک نہیں تھا... وہ تو ادھر ادھر بھٹک رہا تھا... سڑکوں کا گشت لگاتے اس کی تو عمر گزر رہی تھی... اس زندگی کا تو کوئی بھی مقصد نہیں تھا... زندگی کے مقصد کی طرف تو اس کا سفر آج شروع ہوا تھا... یہ اصل مقصد کی ابتدا تھی... یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی ہی ایک شکل تھی... پہلے جس راستے پر وہ چل نکلا تھا... وہ راستہ اللہ تعالیٰ سے دور لے جانے والا تھا... جب کہ یہ راستہ اسے اللہ سے اور قریب کرنے والا تھا۔

دوسرے دن وہ خاتون رخصت ہو گئیں... ایک اور خاتون آ کر اسے لے گئی تھیں... ادھر ارم نے بھی اسے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا، اس کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ ارم سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا: ''ارم! یہ کون تھیں؟''

''ہماری ایک پڑوسن... انہیں میرے ساتھ اس لیے بھیجا گیا تھا کہ میں کسی قسم کی گھبراہٹ میں

نہ مبتلا ہو جاؤں۔''

''ہوں... ٹھیک ہے...'' وہ مسکرا دیا۔

چند دن بعد دروازے کی گھنٹی بجی... حسن نے باہر نکل کر دیکھا تو یوسف سلیم کو مسکراتے پایا... اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ہلایا اور پھر اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا:

''سناؤ دوست... نئی زندگی کیسی لگ رہی ہے۔''

اس سے پہلے کہ حسن کوئی جواب دیتا، اذان کی آواز بلند ہوئی:

''پہلے نماز۔'' حسن مسکرایا۔

''بہت خوب! خوشی ہوئی۔اور سچ پوچھو تو...'' یوسف سلیم کہتے کہتے رک گیا۔

''سچ پوچھو تو کیا؟'' حسن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''سچ پوچھو تو میں جان بوجھ کر اذان سے صرف دو منٹ پہلے یہاں پہنچا ہوں... میں نے سوچا... دیکھنا چاہیے... نئی زندگی نے کہیں نماز کا معمول تو درہم برہم نہیں کر دیا۔''

''توبہ کرو دوست توبہ۔'' حسن ہنسا۔

''توبہ... توبہ۔'' یوسف سلیم نے فوراً کہا۔

پھر دونوں دوست نماز کے لیے مسجد کی طرف چل دیے... واپسی پر یوسف سلیم پھر اپنے سوال پر آ گیا:

''نئی زندگی... اس میں شک نہیں بہت پرسکون ہے، دل کش ہے... اطمینان بھری ہے... بلکہ میں تو کہتا ہوں... میری اصل زندگی ہی اب شروع ہوئی ہے... اس سے پہلے تو میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا ہوں... وقت ہی ضائع کرتا رہا ہوں... بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں نے زندگی کو بہت بری طرح ضائع کیا ہے... اور میرے دوست اگر اس روز تم مجھے نہ مل جاتے تو میں تو نہ جانے کب تک بھٹکتا رہتا... ایک کٹی پتنگ کی طرح تباہی کے کسی گڑھے میں جا گرتا... اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے تم سے ملایا...''

''اس میں شک نہیں... یہ سب اللہ کے کام ہیں...'' یوسف سلیم نے مسکرا کر کہا۔

''تم سناؤ... کیسی گزر رہی ہے... تم نے کبھی اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''اس سے زیادہ کیا بتاؤں کہ اس زندگی میں اگر ہر لحاظ سے ایک اچھی بیوی مل جاتی ہے... تو یہ دنیا ایک جنت کا نمونہ بن جاتی ہے اور اگر بیوی ڈھنگ کی نہ ملے تو یہی ایک انسان کو جہنم محسوس ہونے لگتی ہے، اس لحاظ سے میں بہت خوش قسمت ہوں۔''

''اور میں بھی۔'' حسن نے فوراً کہا۔

''چلو اچھا ہوا... خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے خوش قسمت دو۔'' یوسف سلیم نے شوخ لہجے میں کہا... پھر بولا:

''میری اور میری اہلیہ کی خواہش ہے... کل دوپہر اور شام کا کھانا تم ہمارے ہاں کھاؤ... یہ گویا شادی کی خوشی میں دعوت ہوگی۔''

''میں ارم سے پوچھ لوں۔''

''واہ... بہت فرماں بردار شوہر ہو۔'' یوسف سلیم ہنسے۔

''یہ فرماں برداری کی بات نہیں... گھریلو معاملات مشورے سے طے کر لیے جائیں تو کوئی ناگوار صورت پیش نہیں آتی۔''

''واہ... واہ... بہت جلد گھریلو زندگی گزارنے کا طریقہ آ گیا... کمال ہے۔'' یوسف سلیم کے لہجے میں حیرت تھی۔ حسن بھی مسکرانے لگا... پھر وہ اندر چلا گیا... جلد ہی لوٹا تو اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی... چائے کے دوران اس نے کہا:

''میری اہلیہ نے دعوت منظور کر لی ہے... لہٰذا ہم دونوں کل دوپہر سے پہلے پہنچ جائیں... یوں بھی کل اتوار کا دن ہے... دفتر سے تو چھٹی ہے ہی۔''

''بالکل ٹھیک... اسی لیے تو ہم نے اتوار کا دن رکھا ہے۔'' یوسف سلیم نے کہا۔

چائے سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کھڑا ہوا... حسن اسے رخصت کرنے کے لیے دروازے تک آیا...

''بھول نہ جانا دوست۔'' اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے کہا۔

''فکر نہ کرو۔'' حسن مسکرایا۔

پھر یوسف سلیم ہاتھ ہلاتے ہوئے کار میں بیٹھ گیا اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا...

''کس قدر پیارا دوست ہے میرا... مجھے صراط مستقیم پر لگانے والا...'' وہ بڑبڑایا اور اندر کی طرف مڑ گیا۔

• • •

دوسرے دن ٹھیک 1 بجے حسن اپنی گاڑی سے اترا اور اس نے انگلی گھنٹی کے بٹن پر رکھ دی... ارم کار ہی میں بیٹھی رہی تھی... وہ برقعے میں خوب لپٹی لپٹی ہوئی تھی... دروازہ کھلا تو یوسف سلیم کا مسکراتا چہرہ نظر آیا:

''ہم تم لوگوں ہی کا انتظار کر رہے تھے... خوش آمدید۔''

''شکریہ!'' حسن نے کہا۔

پھر ارم تو اندر چلی گئی اور دونوں دوست ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے... ابھی انہوں نے چند جملوں کا ہی تبادلہ کیا ہوگا کہ اذان کی آواز گونجنے لگی... دونوں دوست اٹھ کھڑے ہوئے... نماز کے بعد ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو وہاں کھانا سجا دیا گیا تھا۔

''بھئی واہ... یہ ہوتا ہے... سگھڑ بیوی کا کام۔''

''اس وقت اندر ایک نہیں دو خاتون موجود ہیں... لہٰذا اس کام میں تمہاری اہلیہ محترمہ کا سگھڑ پنا بھی شامل ہے۔'' یوسف سلیم نے ہنس کر کہا۔

''اچھا اچھا... یہ بات بھی ہے۔'' حسن ہنس پڑا۔

دونوں نے کھانا شروع کیا تو ایک نامعلوم سی الجھن نے حسن کو آ گھیرا... وہ سوچنے لگا... بھلا میں الجھن سی کیوں محسوس کر رہا ہوں... اسے خود اپنے آپ سے کوئی جواب نہ ملا... اس نے خود سے پھر سوال کیا... لیکن اب بھی جواب نہ ملا... ادھر الجھن تھی کہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا... اب وہ یوسف سلیم کی باتوں کا جواب بھی درست طور پر نہیں دے رہا تھا... اس کا ذہن الجھن کی طرف تھا... یوسف سلیم کی باتوں کو تو وہ سن ہی نہیں رہا تھا... درست جواب کیسے دیتا... بس ہوں... ہاں... کیا، کیوں سے کام چلا رہا تھا... آخر یوسف سلیم نے بھی اس کی بے توجہی کو محسوس کر لیا...

''شاید تمہارا دھیان کسی اور طرف ہے؟''

''یہی بات ہے...''

''تب پھر ہم اپنی باتیں پھر کسی وقت پر اٹھا رکھتے ہیں... پہلے تم وہ بات سوچ لو... جس نے تمہیں الجھا لیا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں... کوئی ضرورت نہیں۔'' حسن جلدی سے بولا۔

''بات تو ہے... میری ہر بات کا جواب تو سوال گندم جواب چنا کے انداز میں دے رہے ہو... جب کہ تھوڑی دیر پہلے تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی...''

''اس الجھن کو میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں... مجھے معلوم ہی نہیں کہ میں الجھن کیوں محسوس کر رہا ہوں اور یہ الجھن ہے کیا؟''

''یہ... یہ تو عجیب بات ہوگئی۔''

"ہاں! بہت عجیب... لیکن خیر... میں اس الجھن کا راز جان لوں گا... تم فکر نہ کرو۔"

وہ پھر اپنی باتوں میں لگ گئے... اس طرح عصر کا وقت ہوگیا... دونوں نے پھر مسجد میں جا کر نماز ادا کی... واپس لوٹے تو اس بار میز پر چائے لگ چکی تھی...

"بھئی واہ... کمال ہے۔" حسن کے منہ سے نکلا...

"بھئی... میں نے کہا نا... اس میں آپ کی بیگم کا بھی حصہ ہے۔"

حسن مسکرایا... پھر دونوں نے چائے شروع کی... جونہی حسن نے چائے کا پہلا گھونٹ لیا، وہ الجھن پھر آموجود ہوئی... بلکہ پہلے کی نسبت اس میں شدت آگئی... اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ یوسف نے یہ بات فوراً محسوس کرلی... وہ یک دم سنجیدہ ہوگیا۔

"کیا ہوا دوست خیر تو ہے؟"

"الجھن پھر آ ٹپکی... نماز پڑھنے گیا تھا تو الجھن غائب ہوگئی تھی... اب پھر آموجود ہوئی ہے، میں اس الجھن کو سمجھ نہیں سکا... یہ کیا ہے... کیوں ہے... لیکن میں ایک بات ضرور کہہ سکتا ہوں۔"

"اور وہ کیا؟" یوسف سلیم نے خود بھی الجھن کے عالم میں کہا۔

"اس الجھن کا تعلق میرے ماضی سے ہے۔"

"اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں... حسن میں تو تمہیں... اللہ کی مہربانی سے ان اندھیروں سے نکال لایا ہوں... اب تم ماضی کی بات نہ کرو... خدا کے لیے۔"

"میں ماضی کی نہیں... اس الجھن کی بات کررہا ہوں۔" حسن مسکرایا۔

پھر وہ کافی دیر تک اس الجھن کے بارے میں بات کرتے رہے... لیکن حسن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا ...اور اس طرح یوسف سلیم بھی الجھن محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا... لیکن دونوں کر بھی کیا سکتے تھے...

• • •

"ارم۔" حسن کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔

"جی!" ارم نے قدرے حیران ہوکر کہا۔

"مجھے نیند نہیں آرہی ارم... میں شدید الجھن میں ہوں... جب سے میں یوسف کے گھر گیا ہوں... میری الجھن میں اضافہ ہی ہورہا ہے... ایسا کیوں ہے ارم۔"

"جی... یہ... یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" ارم حیرت زدہ رہ گئی۔

"تب پھر آخر... میں کس سے پوچھوں ارم؟"

"مم... میں... بھلا اس بات کا کیا جواب دے سکتی ہوں۔"

"ہاں واقعی... یہ بات بھی ٹھیک ہے... اس الجھن کا تم سے تو دور کا بھی تعلق نہیں... لیکن پھر بھی ارم تم میری زندگی کی ساتھی ہو... زندگی میں پہلی بار... یعنی تم سے شادی سے پہلے جب میں یوسف کو سڑک پر ملا تھا اور وہ مجھے اپنے گھر لے گئے تھے، اس وقت بھی میں نے بالکل یہی الجھن محسوس کی تھی، لیکن اس وقت تو میں عنبر کی سوچ میں غرق تھا... مجھے تو کچھ اور سجھائی ہی نہیں دیا تھا... اس لیے اس الجھن کی طرف دھیان نہ دے سکا ... لیکن اب جب کہ میری زندگی پرسکون ہے... اس میں کوئی ہل چل نہیں... میں خوب سوچ اور سمجھ سکتا ہوں تو ایک بار پھر اچانک یہ الجھن مجھ پر سوار ہوگئی ہے... اور میں کچھ سمجھ نہیں پارہا... میں کیا کروں ارم... کیا کروں؟"

"آپ اللہ سے دعا کریں... میں بھی آپ کے لیے دعا کرتی ہوں... کہ اللہ تعالیٰ آپ کی یہ الجھن دور فرما دے... بلکہ یوں نہیں... آیئے... دونوں وضو کرتے ہیں... نماز پڑھ کر دعا کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو یہی عمل تھا... ہم کیوں ایسا نہ کریں؟"

"بالکل ٹھیک ارم... بالکل ٹھیک۔" اس نے چونک کر کہا۔

اور پھر دونوں نے وضو کیا... نفل ادا کیے پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ دیر تک دعا مانگتے رہے... دعا کے بعد ارم نے حسن کی طرف دیکھا... سوالیہ انداز میں دیکھا:

"مم... میں محسوس کررہا ہوں ارم... الجھن کافی حد تک دور ہوگئی ہے اور میری کیفیت اب پہلے والی نہیں رہی۔

اللہ کا شکر ہے... اب میں ایک بات صاف صاف پوچھنا چاہتا ہوں... سچ بات یہ ہے ارم... میں نے یہ بات اپنے دوست سے پوچھنے کی کوشش کی... لیکن پوچھ نہ سکا... چلو... تم سے پوچھ لیتا ہوں... تم میرے سوال کا جواب دوگی نا ارم... لیکن خیال رہے، میں صرف اپنی الجھن دور کرنے کے لیے پوچھ رہا ہوں... تم محسوس نہ کرنا۔"

"کیا مطلب... آخر آپ ایسی کیا بات پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"عنبر کا کیا بنا تھا ارم... اس کی شادی کس سے ہوئی تھی؟"

حسن کا سوال سن کر ارم نے پرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھا تو اسے بہت حیرت ہوئی۔

• ● •

چودھواں باب

''خیر تو ہے... آپ حیرت زدہ نظر آرہے ہیں؟'' ارم کی آواز ابھری۔

''میرا خیال تھا... میرا سوال سن کر تم اچھل پڑو گی... پریشان ہو جاؤ گی۔''

''بھلا وہ کیوں، میرے خیال میں تو آپ نے کوئی ایسی بات نہیں پوچھی... انکل میجر صادق صاحب نے عنبر کی شادی اپنے ایک دوست کے بیٹے سے کردی تھی... اور انکل میجر نے کیا کردی تھی ...یہ کام تو ان کے والد اپنی زندگی میں کر گئے تھے...''

''اوہ اچھا... عنبر اپنے گھر میں خوش تو ہے نا۔''

''ہاں بالکل... بہت خوش... وہ تو اس رشتے سے شروع سے ہی خوش تھی... شادی سے پہلے جب ابھی منگنی ہی ہوئی تھی... تو بھی اس کا ہونے والا شوہر ان کے ہاں آیا کرتا تھا...''

''ہوں!'' اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

''آپ کو یہ سن کر کیسا لگا؟'' ارم بولی۔

''بہت اچھا... بلکہ بہت ہی اچھا۔''

''اور اب آپ کی الجھن کا کیا حال ہے۔''

''بہت حد تک کم ہوگئی ہے... بس یہ خیال آجاتا ہے کہ آخر میں نے الجھن محسوس کیوں کی۔''

''کوئی بات نہیں... یہ احساس بھی جلد ختم ہو جائے گا۔'' ارم مسکرادی۔

''سچ بات یہ ہے ارم... جب سے میں دین کی طرف متوجہ ہوا ہوں... جب سے میں نے اپنے اللہ سے لو لگائی ہے... بلکہ یوں کہہ لو... جب سے میں نے اپنے اللہ سے محبت شروع کی ہے... اس وقت سے یہ سب باتیں مجھے بے معنی لگنے لگی ہیں... بیوی سے محبت کا تو ایک جواز ہے... ماں باپ، بہن بھائیوں سے بھی ایک حقیقت ہے... پھر ان سب سے بڑھ کر مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم سے محبت ہے... اور یہ سب محبتیں دراصل اللہ تعالیٰ سے محبت کا پرتو ہیں... لہٰذا یہ بات نہیں کہ میرے دل و دماغ کے کسی کونے میں اب تک عنبر کی محبت چھپی ہے... نہیں... بالکل نہیں... لیکن چونکہ مجھے عنبر سے نفرت بھی نہیں... اس سارے معاملے میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں... بس اس لیے ذہن میں یہ سوال ابھرا... وہ نہ جانے کہاں ہے... کس حال میں ہے... اور بس۔''

''وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش و خرم ہے...'' ارم نے فوراً کہا۔

''میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوگی...''

''اور میرے لیے بھی۔'' ارم مسکرادی... جواب میں حسن بھی مسکرادیا... پھر دونوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی... ایسے میں ارم نے ہنس کر کہا۔

''اچھا اب بتائیں... آپ کی وہ الجھن موجود ہے یا نہیں۔''

''بالکل بھی نہیں۔''

''یہ ہوئی نا بات۔'' ارم چہکی اور دونوں پھر مسکرانے لگے۔

• • •

ایک بوڑھا شخص یوسف سلیم کے دروازے پر پہنچا... اس نے گھنٹی کا بٹن دبانے کے لیے نظریں اوپر اٹھائیں تو دروازہ کھلا نظر آیا... اور سامنے ہی ایک بوڑھی عورت گلاب کے پودے پر جھکی نظر آئی... پھر اسی لمحے بوڑھی عورت سیدھی ہوگئی... اس کا رخ بھی چونکہ دروازے کی طرف ہی تھا، اس لیے دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...

چند لمحے تک دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے... پھر بوڑھے کے منہ سے نکلا:

''مم... معاف کیجیے گا... مجھے اپنے دوست یوسف سے ملنا ہے...''

''جی... اچھا۔'' یہ کہتے ہوئے بوڑھی خاتون اندر کی طرف مڑ گئیں۔

''معاف کیجیے گا... آپ کی شکل و صورت جانی پہچانی سی ہے... ایسا لگتا ہے، میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے... یہ بات اگر معیوب نہ ہوتی تو میں آپ سے پوچھتا... آپ کون ہیں... میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے۔''

''آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے... یوسف صاحب آپ کو میرے بارے میں بتادیں گے...'' یہ کہتے ہوئے بوڑھی عورت آہستہ قدم اٹھاتی اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ گیا... ڈرائنگ روم کی ہر چیز جوں کی توں تھی... ذرا بھی تو تبدیلی نہیں آئی تھی... دراصل آج سے چالیس سال پہلے اسے اپنے اہل خانہ کے ساتھ دوسرے شہر منتقل ہونا پڑا تھا... اس کے بعد یوسف سے ملاقات کبھی سال دوسال بعد ہوتی رہی تھی... اس مرتبہ کچھ زیادہ ہی دن ہو گئے تھے... اب یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ زندگی میں پہلی مرتبہ یہ دروازہ کھلا نظر آیا تھا...

قدموں کی آہٹ سنائی دی تو اس نے سر اوپر اٹھا دیا... اس کا بوڑھا دوست یوسف سلیم لاٹھی کے سہارے اندر داخل ہو رہا تھا:

"آہا... میرے دوست حسن! یہ تم ہو... اس مرتبہ تو تم نے بہت دیر بعد اس طرف کا رخ کیا... ایسی بھی کیا بے رخی؟"

"اب عمر کہاں رہی، کہیں آنے جانے کی... جب انسان دادا اور نانا بن جاتا ہے تو پھر وہ گھر، گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر تک کا ہو کر رہ جاتا ہے... یہ تمہاری یاد ہے جو کبھی کبھی مجھے یہاں کھینچ لاتی ہے... پرانی یادیں اکسانے لگتی ہیں تو آ جاتا ہوں..."

یوسف سلیم نے لاٹھی صوفے سے لگا کر کھڑی کی اور دونوں ہاتھ پھیلا دیے... حسن نے بھی لاٹھی رکھ دی... اور ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف بڑھا... دونوں دوست ایک دوسرے سے چمٹ گئے... کتنی ہی دیر چمٹے رہے۔ آخر الگ ہو کر ایک ہی صوفے پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئے:

"کیسے ہو حسن... ارم بھابی کا کیا حال ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے... ہر طرح خیریت ہے... ارم بھی بالکل ٹھیک ہے... بس ذرا بوڑھی ہو گئی ہے... یہ کہتے ہوئے حسن ہنسا۔

"اپنے بچوں کی سناؤ۔"

"بچوں کی کیا سناؤں... وہ تو اب خود بچوں والے بن گئے ہیں۔" حسن مسکرایا۔

"میری طرح... میرے بچے بھی اب بچوں والے بن چکے ہیں۔"

"گھر میں بچوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہیں۔" حسن بولا۔

"سب کے سب گئے ہوئے ہیں... بس... تمہاری بھابی گھر میں ہے..."

"اوہ اچھا! تو وہ ہماری بھابی تھیں... میں ابھی آیا تھا نا... تو دروازہ کھلا تھا... اور وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑی تھیں... اس لیے میری ان پر نظر پڑ گئی... انہوں نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا... مجھے

ان کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا ہے یوسف۔"

عین اس لمحے اندرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ ساتھ ہی آواز آئی:

"چائے لے لیجیے۔"

اس آواز نے حسن کی پیشانی پر بل ڈال دیے... ادھر یوسف اٹھ کر دروازے کی طرف مڑ گیا... وہ واپس مڑا تو اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی... ٹرے میں چائے ساتھ دوسرے لوازمات بھی تھے۔ یوسف چائے بنانے لگا... پھر جونہی حسن نے چائے کا گھونٹ بھرا... اس کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں... ایک بار پھر وہی الجھن اس کے رگ و پے میں سرایت کرتی چلی گئی... جو پہلے بھی ایک مرتبہ اسے دامن گیر ہو گئی تھی...

"میرے دوست... مجھے بھابی کا چہرہ جانا پہچانا سا لگا تھا... ان کی آواز سن کر مجھے عجیب سا لگا تھا... یہ چائے بھی پیتے ہی میں ایک بار پھر الجھن محسوس کر رہا ہوں... بالکل یہی الجھن میں نے پہلے بھی محسوس کی تھی... اس روز بھی میں نے بھابی صاحبہ کے ہاتھ کی چائے پی تھی... کیا میری بھابی کا نام عنبر ہے؟"

چند ثانیوں تک یوسف سلیم اس کی طرف دیکھتا رہا... پھر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی... مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی... پھر اس نے کہا:

"تمہارا خیال ٹھیک ہے حسن۔"

اب حسن کی باری تھی... اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تیر گئی... پھر اس نے کہا:

"تم نے بہت خوب صورتی سے... بلکہ صرف تم نے نہیں... بھی نے بہت خوب صورتی سے اس بات کو مجھ سے چھپایا... لیکن بھئی... اگر اس وقت تم مجھے بتا دیتے تو بھی... مجھے کوئی دکھ نہ ہوتا... اس لیے کہ میرے ذہن میں یہ سب باتیں اسی وقت صاف ہو گئی تھیں... میں نے جان لیا تھا کہ انسان کو سب سے زیادہ محبت اپنے خالق اور مالک سے ہونی چاہیے... اگر ایسا نہیں ہے تو وہ انسان، انسان کہلانے کا حق دار نہیں... پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے بڑھ کر محبت ہونی چاہیے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہیں اپنی جان سے، اپنے مال سے اور اپنی اولاد سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہیں ہو گی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے محبت ہونی چاہیے... پھر کہیں جا کر باری آتی ہے... اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اپنے بیوی بچوں سے محبت کی... ان تمام محبتوں میں کسی نامحرم سے محبت کا تو کہیں ذکر ہی نہیں آیا، اگر کہیں یہ

ذکر آیا ہوتا... تو ضرور میں رنج محسوس کرتا... لیکن میری دنیا تو ان دنوں بدل گئی تھی... میں نے تو جان لیا تھا کہ میں تو صحرا میں بھٹک رہا ہوں، وہ تو صرف سراب ہی سراب تھا... اور سراب کے پیچھے بھاگنے سے بھلا کیا ہاتھ آتا ہے... سوائے بے کسی کی موت کے... ایسی زندگی کا بھلا کیا فائدہ... مجھے خوشی ہے... تمہیں عنبر جیسی سلجھی ہوئی بیوی ملی... جہاں تمہاری ازدواجی زندگی پرسکون گزری... وہیں میں بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہا... ہاں اس صورت میں ضرور میری زندگی بیکار گزرتی... اگر میری ملاقات تم سے نہ ہو جاتی... اور تم مجھے اس زندگی میں نہ لے آتے... جو اصل زندگی ہے... ایک نقلی زندگی سے اصلی زندگی میں نہایت احسن طریقے سے تم مجھے لے آئے... میں تو تمہارا احسان مند ہوں... تم نے تو مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے ...ایک ایسا احسان جس کا کوئی بدل نہیں... میرے دوست میری طرف سے مبارک باد قبول کرو... کامیاب زندگی کی مبارک باد۔"

"اور تم بھی۔" یوسف سلیم نے بھرپور انداز میں کہا۔

پھر دونوں اٹھ کر ایک دوسرے کے گلے سے لگ گئے... ادھر دروازے سے لگی عنبر کے جھریوں بھرے چہرے پر مسکراہٹ تیر گئی... اس کی آنکھوں میں دو آنسو آ گئے... دوسری طرف یوسف اور حسن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ چکے تھے... لیکن یہ آنسو رنج اور غم کے آنسو نہیں تھے... ان آنسوؤں کی مثال تو یوں تھی جیسے کوئی شخص اللہ کے راستے میں جان دے دے تو اس کے لواحقین کی آنکھوں میں آنسو آ ہی جاتے ہیں... ان آنسوؤں کو رنج اور غم کے آنسو نہیں کہا جاتا... خوشی کے آنسو سمجھا جاتا ہے... سو یہ آنسو بھی کچھ اسی قسم کے تھے... ان کا تعلق رنج اور غم سے نہیں... اللہ کی محبت سے تھا... خالص اللہ کی محبت سے... چنانچہ جب دونوں دوست ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو ان کے چہروں پر رونق ہی رونق تھی، اطمینان ہی اطمینان تھا۔ عین اس وقت اذان کی آواز سنائی دی... دونوں دوست گھر سے نکل کر مسجد کی طرف چل پڑے...

اسی شام حسن کو جہاز کے ذریعے واپس اپنے شہر پہنچنا تھا... یوسف اسے ایر پورٹ تک لے آیا... دونوں کار سے اترے اور ایک دوسرے کے گلے سے لگ گئے:

"تم بھی چکر لگا لیا کرو یوسف... ہر مرتبہ مجھے ہی آنا پڑتا ہے۔"

"اچھی بات ہے... اس مرتبہ میں آؤں گا۔"

"اور بھابی کو بھی لے کر آنا... ارم ان سے مل کر بہت خوش ہوگی۔"

"ہاں! ضرور کیوں نہیں۔"

پھر دونوں نے ہاتھ ہلائے اور حسن ایر پورٹ لاؤنج کی طرف چل دیا... دونوں اس وقت مڑ مڑ کر دیکھتے رہے... جب تک کہ وہ ایک دوسرے کو نظر آتے رہے۔

•●•

پندرھواں باب

جہاز نے زمین کو چھوڑا تو حسن کی آنکھوں کے سامنے سے گزری زندگی کا ایک ایک پل گزرنے لگا... اس کانوں میں جملے آنے لگے:

''یہ عنبر کون ہے... دوست؟''

''میں... میں خود عنبر ہوں... ''

''یہ کیا بات ہوئی...؟''

''عنبر میری زندگی ہے... ''

''میں نے پوچھا ہے... عنبر کون ہے؟''

''عنبر بہار ہے، حسن ہے، رعنائی ہے، عنبر ہی کائنات ہے... عنبر نہ ہو تو کائنات کچھ بھی نہیں... یہ چاند... یہ ستارے... سب عنبر کے آگے ماند ہیں... عنبر میری صبح ہے، عنبر میری شام ہے... عنبر ہی میرا جینا ہے اور عنبر ہی میرا مرنا ہے۔''

''لو بھئی! چائے تو تیار ہی مل گئی... تمہاری بھابی کی آنکھ کھل گئی تھی اور غالباً انہوں نے ہماری بات چیت سن لی تھی... لہٰذا وہ اسی وقت کچن میں چلی گئیں... ''

''خوش قسمت ہو دوست... اچھی بیوی مل گئی۔''

''اور عنبر! آج مہمان کے لیے چائے آپ بنائیں گی۔''

''کیوں نہیں پاپا... لیکن آپ نے تو بتایا تھا... یہ یہیں رہیں گے، اس صورت میں یہ مہمان تو نہیں ہوئے نا۔''

''منہ سے نکل گیا... لیکن صرف آج کے دن ہم انہیں مہمان ہی تصور کر لیتے ہیں۔''

''آیئے چلیں گھگو میاں۔''

''لو بھئی! اس بے چارے کو پہلے روز ہی گھگو میاں بنا دیا۔''

''مم... میں نے بُرا نہیں مانا... ویسے یہ گھگو میاں کیا ہوتا ہے؟''

''آیئے میرے ساتھ... میں بتاؤں گی آپ کو... گھگو کسے کہتے ہیں۔''

''آپ لوگ محبت کو پاگل پن کہتے ہیں۔''

''ہم ایسی محبت کو پاگل پن کہتے ہیں جو یک طرفہ ہو... معاملہ دو طرفہ ہو تو وہ پاگل پن نہیں... کیونکہ اس صورت میں شادی کے امکانات ہیں... جب کہ آپ کے معاملے میں کیا ہے... کچھ بھی نہیں... عنبر صاحبہ کی شادی ہو جائے گی... آپ کیا کریں گے... ظاہر ہے آپ بھی کسی سے شادی کر لیں گے... پھر کہاں کی محبت... کہاں کی عنبر... ''

''نن... نہیں... ایسا نہیں ہوگا... میں... میں تمام عمر شادی نہیں کروں گا۔''

''واقعی۔''

''اور نہیں تو کیا۔''

''ابو! یہ تو پورے پورے مجنوں بننے چلے ہیں... انہیں سمجھایئے۔''

''ضرور سمجھاؤں گا... بس تم حسن کا پیچھا چھوڑ دو، وقت کے ساتھ ساتھ ہی غم کے اثرات ختم ہوتے ہیں... ابھی تو معاملہ بالکل تازہ ہے... ابھی نہ یہ میری سنیں گے... نہ تمہاری... بس میں نے جو کہا ہے... تم صرف وہ کرو۔''

''آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں۔''

''کک... کیا مطلب... میں سمجھی نہیں، آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''میرا اس طرح پھر سے واپس آنا... آپ کو ناگوار تو نہیں گزرا؟''

''بالکل نہیں... مجھے تو اچھا لگ رہا ہے۔''

''اور جب میں چلا گیا تھا۔''

''اس وقت بھی اچھا لگا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''میں ہمیشہ بڑوں کے فیصلوں میں خوش رہتی ہوں... بڑوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب آپ کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں... بلکہ سب بڑوں نے نہیں... دادا جان مرحوم نے، ہم سبھی نے ان کے فیصلے کو

پسند کیا تھا... لہٰذا آپ کا جانا ناگوار نہیں گزرا تھا... بلکہ خوشی محسوس کی تھی میں نے تو... اب جب کہ دادا جان دنیا میں نہیں ہیں... اور ابو گھر میں سب سے بڑے ہیں... پھر یہ کہ ہیں بھی میرے ابو... تو مجھے ان کا ہر فیصلہ پسند ہے... اس طرح آپ کا یہاں رہنا بھی پسند ہے۔"

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ آپ کی اپنی کوئی مرضی نہیں... آپ کی اپنی کوئی پسند نہیں... آپ کے اپنے کوئی احساسات نہیں... کوئی جذبات نہیں۔"

"ہاں! آپ یہی کہ لیں... بلکہ یہی بات ہے۔"

"آپ... آپ بہت عجیب ہیں... میں نے آپ جیسی عجیب لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔"

"شاید آپ کو کسی کا شدت سے انتظار ہے۔"

"وہ کون ہے... جس کا عنبر کو انتظار ہے۔"

"محبت ایک ایسا جذبہ ہے... جسے دبایا بھی جاسکتا ہے اور اس کا رخ بھی موڑا جاسکتا ہے... اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ انسان میں اس لیے پیدا فرمایا کہ انسان زندگی کے اندھیروں سے محبت کی روشنی کی طرف نکل آئیں... وہ زمانے کے طوفانوں میں ثابت قدم رہیں۔ اپنے فرائض کو پوری دل جمعی اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں... یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی ہی ذات کو محبت کا مرکز ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ ایمان والے لوگ وہی ہیں جو میرے ہی جمال بے مثال پر ریجھ گئے اور سب سے زیادہ مجھی سے محبت کرتے ہیں...

وہ چونک اٹھا... جہاز کے اترنے کا اعلان ہو رہا تھا... اس کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ تیر گئی... گھر کے دروازے پر پہنچ کر اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا تو دروازہ خود ارم نے کھولا...

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

ارم نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا:

"کیسا رہا آپ کا سفر۔"

"بہت دلچسپ... بہت خوش گوار... سب سے بڑھ کر یہ کہ..." وہ کہتے کہتے رک گیا...

"سب سے بڑھ کر یہ کیا... آپ کہتے کہتے رک کیوں گئے؟"

"سب سے بڑھ کر یہ کہ اس مرتبہ میں نے یوسف کی بیوی کو بھی دیکھ لیا..."

"کیا!!!" مارے حیرت کے ارم چلا اٹھی۔

"ہاں! لیکن ارادۃً نہیں... بالکل غیر ارادی طور پر اور اچانک۔"

پھر وہ اسے بتانے لگے کہ یہ اتفاق کیسے ہوا تھا... ارم کا رنگ اڑتا جا رہا تھا... ادھر وہ کہہ رہا تھا:

"اور ارم! میں تو اسے پہچان ہی نہیں سکا... تم سب نے مل کر مجھ سے یہ راز چھپائے رکھا... اگر چہ۔" وہ ایک بار پھر کہتے کہتے رک گئے۔

"اگر چہ کیا؟" ارم کا انداز پریشان کن تھا۔

"اگر چہ... یہ بات تم لوگ مجھے بہت پہلے... بتا سکتے تھے... اس وقت... جب میں اپنے خالق کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا... رب العزت سے خالص محبت کرنے والے کو کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا... خیر... جو ہوا... خوب ہوا... مجھے یوسف سے... اور باقی سب سے کوئی گلا نہیں... میری اصل زندگی وہ نہیں تھی... اصل زندگی تو یہ ہے جو میں تمہارے ساتھ گزار رہا ہوں... تمہارے ساتھ رہتے ہوئے، اپنے دین کے ہر حکم پر پوری طرح عمل کر رہا ہوں... میں اگر تم سے محبت کرتا ہوں تو اپنے اللہ سے محبت کی وجہ سے کرتا ہوں... میری محبت کا محور تو صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے... یہ محبت بھلا کسی کو بھٹکنے دے سکتی ہے... نہیں ارم... ہرگز نہیں..."

وہ کہتا جا رہا تھا اور ارم کی اڑی اڑی رنگت اپنی اصل رنگت کی طرف واپس آ رہی تھی... اس کے خاموش ہوتے ہی ارم کے چہرے پر شفق کی سرخی پھیل گئی۔ حسن نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور وہ اس کے سینے سے لگ گئی... ایسے میں ان کے کانوں میں اذان کی آواز گونجنے لگی...

• ● •

ختم شد

میری تمام قارئین سے گزارش ہے کہ اگر یہ ناول پڑھنے کے بعد آپکے دل میں اللہ اور رسول اللہ سے محبت کرنے کی تڑپ پیداہوگئی تو اس ناول کے مصنف جناب اشتیاق احمد مرحوم (قلمی نام عبداللہ فارانی) کیلئے دعا کیجیئے کہ اللہ تعالیٰ اس ناول اور اس کے ذریعے پیدا ہونے والی محبت رسول کی تڑپ کو ان کیلئے صدقہ جاریہ بنائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ۔ جزاکم اللہ خیرا

آپ کا دوست عجمی خان

BAIT-US-SALAM
Tel: +92.21.203.8163, 543.4139
Cell: +92.321.381.7119